اورنگ زیب یوسفزئی
جولائی 2007ء

صلوٰۃ مئوقت

فریضہ اقامت صلوٰۃ کے ضمن میں بلاغ القرآن مئی اور جون 2007ء کے ہر دو شماروں میں محترمین قاضی کفایت اللہ اور اللہ دتہ متقی کے ہر دو مضامین انتہائی دلچسپی سے پڑھنے کا موقع ملا۔ دونوں فاضل مقالہ نگاروں نے "صلوٰۃ مئوقت" کے وجود اور وجوب پر روشنی ڈالی ہے اور قرآن حکیم سے اس کے اثبات کی وکالت کی ہے۔ اس صلوٰۃ سے محترمین کی مراد قیام، رکوع، سجدے اور رکعتوں والی یعنی پڑھنے والی روایتی نماز ہے۔ جہاں راقم الحروف دونوں بزرگان کی قرآنی خدمات کیلئے حمد وستائش کے جذبات محسوس کرتا ہے کہ وہ اسی قرآنی فکر کے کارواں کے جادہ پیما ہیں، جس کی منزل مقصود پوری نوع انسانی کی بقا و فلاح ہے وہیں ان مضامین سے اٹھنے والے چند سوالات اور تحفظات بھی پیش کرنے کی جسارت کرتا ہے۔

یہ کمترین کیونکہ قرآن کا ایک ناچیز طالبعلم ہے اس لئے اسکی پہلی خواہش قرآن کا علم بلند کرنے والی تمام جماعتوں کی فکر میں ہم آہنگی ہے۔ یہ وہ واحد کتاب ہے جو "لا ریب فیه" اور "تبیاناً لکل شیئً" کا درجہ رکھتی ہے۔ یعنی جس میں کوئی شک وابہام نہیں ہے اور جو تمام انسانی اور آفاقی امور کو کھول کر بیان کر دیتی ہے۔ تب پھر اس کتاب کے متبعین کی فکر میں اختلاف اور ابہام کیوں ہو۔ ناچیز یہ ضرورت بدرجہ اتم محسوس کرتا ہے کہ تبادلہ خیالات کے ذریعے قرآنی فہم کو وقت کے تقاضوں کے مطابق متشرح کرلیا جائے تو قرآن کا ہر دور میں کتاب مبین ہونا عیاں ہوجائے گا نیز تمام جزوی اختلافات ختم ہوں۔ تو قرآنی قوتیں ایک پلیٹ فارم سے یکجا ہوکر فکر وفہم کے ارتقاء، تسخیر کائنات اور انسانی فلاح و بہبود کے اصل نصب العین کی طرف مائل بہ پرواز ہوجائیں۔ فکری اختلاف کے حل کیلئے افہام وتفہیم ہی واحد راستہ ہے۔ فتویٰ اور تشدد کی زبان استعمال کرنا شرف انسانیت سے نیچے گر جانا ہے۔ شاید اسی کو اللہ نے قصہ آدم میں "ہبوط آدم" کی اصطلاح سے واضح کیا تھا۔ ہر دو فاضل اساتذہ کو جنکے نام نامی اوپر تحریر کیئے ہیں، اپنی جانب سے انتہائی عزت وتکریم کی یقین دہانی کراتے ہوئے عرض گزار ہوں کہ فکر کی لائن اگر باہم مشترک ہو تو فہم کا یا استنباط نتائج کا اختلاف کوئی بڑی حیثیت نہیں رکھتا۔

تو آیئے ایک بڑے صاحب قلم کے الفاظ میں مل جل کر فیصلوں سے فرار کی راہ ترک کی جائے اور افکار وعقائد کو سچ یعنی قرآن کی میزان پر تولا جائے۔ غلط فیصلوں کا عذاب گزشتگان نے سہا تھا اور آئندگان بھی ایسے ہی فیصلوں کے جہنم میں جلیں گے جب تک کہ آپ ہم اور سب ایک دوسرے کی گردنوں میں بانہیں ڈال کر درست فیصلوں کی اس بھٹی سے نہ گزریں جہاں سے قومیں اور قبیلے کندن بن کر نکلتے ہیں اور پھر وہ اپنی حشمت وسطوت سے زمین کی طنابیں کھینچ لیتے ہیں۔ جن کے اشارے ستاروں اور سیاروں کا احوال بتاتے ہیں جن کی چھاؤنیاں سارے جہاں میں چھائی ہیں اور جن کے سفینے سمندر رسمندر شناوری کرتے ہیں۔ ہر دو مذکورہ مضامین سے جو مرکزی نکات ابھرتے ہیں آیئے پہلے انہیں واضح کیئے لیتے ہیں:۔

نکتہ نمبر 1: انسانی ذہن کی ایک کمزوری ہے کہ وہ اپنے سے اعلیٰ مربی کے آگے جھکے یعنی سجدہ کرے۔ اس لئے اللہ نے اس شوق کی تسکین اور پذیرائی کیلئے اپنے آگے سجدہ کا حکم دیا۔ تاکہ جذبہ عبودیت کی تسکین ہو۔ (متقی صاحب)

نکتہ نمبر 2: اس مقصد کیلئے "صلوٰۃ مئوقت" کا حکم دیا گیا۔ (متقی صاحب)

2/1۔ صلوٰۃ دو قسم کی ہیں: صلوٰۃ مئوقت اور صلوٰۃ جامعہ۔ (دونوں صاحبان)

2/2۔ قیام، رکوع اور سجدے والی صلوٰۃ مئوقت قرآن مجید سے ثابت ہے جسکا انکار قرآن مجید میں تحریف کے مترادف ہے۔ (قاضی صاحب)

2/3۔ صلوٰۃ مئوقت کی کچھ تفصیلات کو کتاب اللہ نے خود متعین کر دیا ہے اور کچھ کو ارتقاء انسانی کے تقاضوں کے پیش نظر کھلا چھوڑ دیا ہے۔ (قاضی صاحب)

2/4۔ صلوٰۃ مئوقت اپنی تمام تر اہمیت و افادیت کے باوجود نہ ہی صلوٰۃ جامعہ کا بدل ہے اور نہ ہی اسکی پابندی امت مسلمہ کو دوبارہ اسکے حقیقی مقام و منصب (الاعلون 3/134) پر فائز کر سکتی ہے۔ یہ تو اصل صلوٰۃ کی تمہید ہے۔ (قاضی صاحب-7)

2/5۔ صلوٰۃ مئوقت میں امت مسلمہ کی اجتماعیت اور امامت کا راز پوشیدہ ہے اور صلوٰۃ مئوقت کیلئے اذان اور اسکے کلمات میں دین اسلام کی بنیادی دعوت اس طرح سمودی گئی ہے کہ اس سے بہتر کا تصور ناممکن ہے۔ (قاضی صاحب-8)

نکتہ نمبر 3۔ صلوٰۃ مئوقت میں صرف اپنی حاجات اللہ کے سامنے پیش کرنے والی آیات پڑھنی چاہییں نہ کہ حیض و نفاس کا بیان یا موسیٰ اور فرعون کی کشمکش والی آیات کیونکہ اللہ کو (پہلے ہی) اس کا علم ہے۔ (متقی صاحب)

نکتہ نمبر 4۔ اگر بارش کیلئے یا (ظالم) حکام کو ٹھکانے لگانے کیلئے صلوٰۃ پڑھی جائے تو یہ من مانی ہے۔ (من جانی کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں)۔ (متقی صاحب)

نکتہ نمبر 5۔ روایتی صلوٰۃ (یعنی نماز) مسلم معاشرے کو گناہ گا لائسنس عطا کرتی ہے۔ (متقی صاحب)

نکتہ نمبر 6۔ لوگ صلوٰۃ کے مختلف معانی کرتے ہیں پھر بھی پڑھنے والی صلوٰۃ کے منکر ہیں۔ (متقی صاحب)

نکتہ نمبر 7۔ معراج میں 50 نمازوں کا فرض ہونا اور موسیٰ کے ذریعے 5 تک تخفیف ہو جانا لایعنی کہانیاں ہیں۔ (متقی صاحب)

نکتہ نمبر 8۔ جھکنا ضروری ہے لیکن صرف تین بار روزانہ۔ اگر پانچ بار ہو گیا تو پھر وہ افراط کی راہ پر چلنا ہو جائیگا۔ (متقی صاحب۔ صفحہ نمبر 14)

نکتہ نمبر 9۔ 3 نمازیں آیت 11/114 سے اور مزید چھ آیات سے ثابت ہیں۔ (متقی صاحب)

نکتہ نمبر 10۔ 2 رکعات آیت 4/102 سے ثابت ہیں۔ (متقی صاحب)

نکتہ نمبر 11۔ مسجدوں کا خوگر بننے سے اور صلوتوں سے اللہ کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ یعنی وہ پرستش اور فرمانبرداری سے بے نیاز ہے۔ (متقی صاحب)

ناچیز پر امید ہے کہ مذکورہ دونوں مضامین میں دیے گئے تمام ضروری نکات اوپر بالکل اپنے اوریجنل انداز والفاظ میں لیکن حوالہ دینے کی سہولت کی خاطر ایک ترتیب سے با قاعدہ نمبرنگ کیساتھ قلم نوشت کر دیئے گئے ہیں۔ اگر کہیں خطا سرزد ہوگئی ہو تو ضرور اصلاح فرمائیں۔ آیئے اب ہم ان نکات کا تجزیہ فکر قرآنی اور شعور کی روشنی میں علیحدہ علیحدہ کیے لیتے ہیں۔ لیکن ذرا ٹھہریں۔ پہلے مندرجہ ذیل تبصرہ پیش خدمت ہے جسکا مقصد کسی طرح بھی فاضل مقالہ نگاروں کے احترام کو زد میں لانا ہرگز نہیں بلکہ خود اپنی ذات کا شرح صدر مطلوب ہے۔

گزارش ہے کہ ان نکات کے الفاظ میں ایک واضح اور دوٹوک پالیسی سے محرومی بڑی ہی واضح ہے۔ Inconsistancy یعنی تطابق فکری کا فقدان اس قدر زیادہ ہے کہ کہیں کہیں تو چند سطروں کے اندر ہی تضاد بیانی حیران کن ہے۔ مثلاً نکتہ نمبر 5 "روایتی صلوٰۃ (یعنی نماز) مسلم معاشرے کو گناہ کا لائسنس دیتی ہے" جب کہ نکتہ نمبر 8 پڑھنے والی نماز (یعنی وہی روایتی نماز) اگر تین پڑھی جائیں تو قبول ہے پانچ پڑھی جائیں تو افراط ہے۔

نکات نمبر 3، اور نمبر 4 میں نوٹ فرمائیں کہ صلوٰۃ مئوقت حاجات کیلئے تو پڑھنی چاہیے۔ مگر بارش کیلئے اور حاکم کے خاتمے کیلئے (یہ بھی تو اجتماعی حاجات ہی ہیں؟؟) پڑھی جائے تو یہ من جانی ہو جائیگی۔ پھر یہ کہ نماز میں صرف حاجات والی آیات پڑھنی چاہییں۔ حیض و نفاس اور موسیٰ اور فرعون کے ذکر والی آیات پڑھنے کا کیا فائدہ کہ یہ تو اللہ کو پہلے ہی پتہ ہے۔ یعنی ہماری حاجات کا اس علیم وخبیر کو اور علام الغیوب کو کیونکہ پتہ نہیں ہوتا اس لئے ہمیں انہی کا ذکر کر کے اس کے علم میں لانا چاہیے! سب سے زیادہ عدم مطابقت نکتہ نمبر 2/4 اور نمبر 2/5 میں پائی جاتی ہے۔ یعنی صلوٰۃ مئوقت نہ تو صلوٰۃ جامعۃ کا بدل ہے نہ ہی اس کی پابندی کوئی کامیابی عطا کرسکتی ہے۔ یہ تو صرف تمہید ہے جبکہ عین اسی وقت نمبر 2/5 کے مطابق "اس میں اجتماعیت اور امامت کا راز بھی پوشیدہ ہے اور اس میں دین اسلام کی بنیادی دعوت اسطرح سمودی گئی ہے کہ اس سے بہتر کا تصور ناممکن ہے"۔ یاللعجب! کس بات کو صحیح سمجھا جائے۔ 2/4 والی کو یا اس کے برعکس 2/5 والی کو۔ پھر نکتہ نمبر 11 آپ کو مسجدوں کا خوگر بننے سے اور صلوٰۃ (بمعنی نماز) سے پرہیز کا درس دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ کو پرستش اور فرمانبرداری کی ضرورت ہی نہیں (حالانکہ پرستش اور فرمانبرداری دو بالکل علیحدہ اور متضاد اعمال ہیں ان کو ایکساتھ مرادف معانی میں نہیں بولا جاسکتا) لیکن نکات نمبر 8,9,10 آپکو یہی کام کرنے کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔ اگر چہ صرف 3 مرتبہ اور 2 رکعتوں کے ساتھ!!" ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہیے"۔ پھر نکتہ 2/2" قیام رکوع اور سجدے والی صلوٰۃ مئوقت (یعنی وہی روایتی نماز) قرآن مجید سے ثابت ہے جسکا انکار قرآن مجید میں تحریف کے مترادف ہے"۔ چلیے مان لیا کہ ثابت ہے تب پھر قرآنی احکام پر عمل کرتے ہوئے ایک نیک عمل تین کی بجائے پانچ بار کر لیا تو اس میں کس Logic سے گناہ لازم آ گیا کہ وہ غیر پسندیدہ ٹھہر گیا۔ یہ تو بلکہ اور زیادہ مستحسن عمل ہو جانا چاہیے۔ یعنی تین کی بجائے 5 بار پرستش کے عمل سے صرف برکات وفیوض کے نزول میں اضافہ ہی تو متوقع ہوگا؟ نکتہ 2/3 میں صلوٰۃ مئوقت کی "متعین" اور"

غیر متعین" تفصیلات کے بارے میں مضمون کوئی تفاصیل مہیا نہیں کرتا نہ ہی کوئی قرآنی سند۔ اگر قرآنی حوالے کیساتھ تفصیل دے دی جاتی تو غالباً معاملہ واضح ہو جاتا۔ فی الحال تو پڑھنے والا خود کو اندھیرے میں پاتا ہے۔

اب جناب باری آتی ہے یہ دیکھنے کی کہ قرآن صلوٰۃ کے بارے میں کیا ہدایت فرماتا ہے۔ اگرچہ موضوع دقیق ہے اور وسعت کے لحاظ سے پورے قرآن میں پھیلا ہوا ہے لیکن طوالت کے خوف سے مختصراً اصولی گفتگو ہی کیجا ئیگی۔

نکتہ نمبر 1۔ جناب عالی! انسان کو آزاد اور صاف ذہن دیکر پیدا کیا گیا ہے اور اس میں ایسی کوئی کمزوری نہیں ہے کہ وہ کسی کے بھی آگے جھکنا اپنی ضرورت، فطرت یا مجبوری سمجھے۔ انسان جو بھی کمزوریاں، اوصاف یا عادات (Develop) کرتا ہے۔ اپنے ماحول اور طرز تعلیم و تربیت سے کرتا ہے:۔

تو اپنی سرنوشت آپ اپنے قلم سے لکھ ——— خالی رکھی ہے خامہ حق نے تیری جبیں

یہی وجہ ہے کہ غلام اور محکوم معاشروں میں انسان عموماً غلامی اور محکومی کا خوگر، آزاد معاشروں میں خوددار، کسی کے آگے نہ جھکنے کا جذبہ رکھنے والا، حیوانی اور جنگلی معاشروں میں تقریباً حیوان کے طور پر Develop ہوگا۔ دہریہ معاشروں میں خدا کے آگے جھکنے اور سجدہ کرنے کا تصور بھی نہیں ہوگا۔ اب آیئے قرآنی زاویے سے اس نکتہ پر روشنی ڈالتے ہیں۔ سجدہ اور عبودیت دو الفاظ یہاں استعمال کیئے گئے ہیں۔ عبودیت کا مادہ عبد ہے جسکا معنی بندہ غلام اطاعت شعار فرمان بردار، محکوم یعنی حکم بجا لانے والا ہے۔ جبکہ مضمون میں اس کا مطلب پرستش (Worship پوجا) لیا گیا ہے۔ جو اصل معنی سے بہت دور لے جاتا ہے۔ اسی طرح سجدہ بھی اطاعت میں مکمل خودسپردگی کے معنی میں ہے (Total Submission) نہ کہ زمین پر ماتھا ٹیک دینا، جو کہ پھر وہی پرستش کی ذیل میں آتا ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں آیت 6/55 میں (والنجم والشجر یسجدان) سجدہ کے بہترین حقیقی معانی پیش کئے گئے ہیں۔ پرستش اور اطاعت کا فرق درج ذیل ہے:۔

عبادت بجز خدمت خلق نیست ——— بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

اور

یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل ——— یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات

وہ مذہب مردان خود آگاہ و خدامست ——— یہ مذہب مُلا و نباتات و جمادات

نکتہ نمبر 2: (2/1 سے لیکر 2/5 تک)

ناچیز بہت شکرگزار ہوگا اگر صلاۃ مئوقت اور صلاۃ جامعۃ کی اصطلاحات کی قرآن حکیم میں موجود ہونے کی سند دے دی جائے۔ مجھے یہ دونوں اصطلاحات کیونکہ کہیں بھی نہ ملیں۔ اس لئے انہیں خارج از قرآن ماننے پر مجبور ہوں۔ ویسے بھی صلوٰۃ کے وسیع معانی میں پرستش (پوجا۔ نماز۔ Worship) کا تصور کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ صلوٰۃ کے مادہ کا معنی پیچھے پیچھے چلنا (القیامۃ ۔31۔ تقابل ضدین) پیروی کرنا (الاعلیٰ ۔15) اطاعت کرنا (العلق ۔10) ہے۔ متقی صاحب نے صفحہ نمبر 15 پر کچھ ایسا ہی معنی لکھا ہے۔ پھر اسی کی ذیل میں

وظیفہ زندگی (النور۔41) فرائض منصبی (المعارج۔23 ,34) (المومنوں۔2,9) اور تحسین وحوصلہ افزائی (التوبہ۔103) ہے۔ کیونکہ یہ سب اولین معانی سے مشتق ہیں اور پیروی احکام الٰہی کے مترادف ہیں۔ اس لئے صلوٰۃ کے دو حصے کرنا اور ایک (یعنی صلوٰۃ مئوقت) کو روایتی نماز کے معنی میں لینا، جس میں چندمنٹ پرستش کرنے کے بعد تمام فرائض منصبی سے جان چھوٹ جاتی ہے۔ ذاتی فہم تو ہوسکتی ہے قرآن سے یہ معنی نہیں نکلتے نظر آتے۔ پھر اصطلاح "یقیمو الصلوٰۃ و یوتو الزکوٰۃ" کا مطلب "خدائی احکام کی اطاعت کے نظام کا قیام یعنی سامان پرورش ونشونما کا عام کردینا" سے علاوہ اور کیا نکالیں گے؟ جو بھی دیگر مطالب نکالے جائیں گے وہ (1) لفظ زیر تحقیق کے لغوی معانی سے مطابقت نہیں رکھیں گے۔ اس لئے غلط ہوجائیں گے اور (2) قرآن کے مجموعی پیغام یعنی "بلا معاوضہ عالمگیر انسانی فلاح و بہبود" سے دور ہوجائیں گے اس لئے بھی غلط ہوں گے۔ ویسے بھی پڑھنے والی صلوٰۃ یعنی روایتی نماز کے "قیام" سے آج تک مسلمانوں کی زبوں حالی، افلاس، محرومی، مُلا، ڈکٹیٹر اور سرمایہ دار کی غلامی دور تو ہوئی نہیں ہے۔ تو اب تین بار کی صلوٰۃ مئوقت (وہی روایتی نماز) سے کیسے دور ہوجائے گی۔ اسی لئے اقبال نے کیا خوب کہا تھا:۔

ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سجود	ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں	ہو کہیں پیدا تو مرجاتی ہے یا رہتی ہے خام

نکتہ نمبر 3 اور 4: اللہ کے سامنے حاجات پیش کرنے کے بارے میں اقبالؒ کے صرف تین اشعار پیش کرنے کی جسارت کرونگا۔

	تیری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی	مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے
اور	عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی	یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے
اور	اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے	جوئے شیر و تیشہ وسنگ گراں ہے زندگی

کیونکہ محترمین اللہ تعالیٰ نے تو تمام اسباب وسائل زمین میں پھیلا دینے کے بعد ہی حضرت انسان کو زمین پر بھیجا ہے۔

نکتہ نمبر 5: "روایتی صلوٰۃ (یعنی پڑھنے والی نماز) مسلم معاشرے کو گناہ کا لائسنس عطا کرتی ہے"۔ ناچیز متقی صاحب کے اس بیان سے سو فیصد متفق ہے۔

نکتہ نمبر 6: یہ بیان نکتہ نمبر 5 کے متفقہ فیصلے کی رو سے کالعدم ثابت ہوتا ہے کیونکہ پڑھنے والی نماز "گناہ کا لائسنس" ہے۔

نکتہ نمبر 7: معراج والی روایاتی کہانی واقعی لایعنی ہے اور یہاں بھی فہم کا اتفاق واشتراک پایا جاتا ہے۔

نکتہ نمبر 8: "جھکنا ضروری ہے۔۔۔" نکتہ نمبر 1 اور نمبر 2 کے درج بالا جوابات میں جھکنے کی حقیقی قرآنی فہم واضح کی جاچکی ہے۔

نکتہ نمبر 9: آیت کریمہ 11/114 تو آپکی قوت عمل کو تیز تر کرنے کیلئے آپ کو صبح وشام کی دو شفٹوں میں کام کرکے قرآنی انقلاب اور اس کے تحت ترقی کی رفتار بڑھانے کی ہدایت کرتی نظر آتی ہے۔ رات کے ابتدائی حصے تک (زلفاً من الیل) اضافی کام یعنی overtime کی بھی ہدایت ہے۔ یہاں روایتی نماز کو بطور ترجمہ لانا پھر وہی خاک کو چاٹنا اور مصلے کو پکڑنا ہے۔ وہی عمل سے دوری اور وہی زبانی رٹنے ہیں۔ جنہوں نے آج ہماری امت کو پست ترین درجے پر پہنچا کر دینا کے شودر بنا دیا ہے۔ البتہ اگر آپ وہ مزید چھ آیات بھی رقم

فرمادیتے جن سے تین نمازیں ثابت ہیں تو ان کے معانی پر بھی تحقیق کر لی جاتی۔

نکتہ نمبر 10: آیت 4/102 میں جنگ کی حالت میں رسالت مآب کی کمان میں کمانڈ اینڈ کنٹرول کی جارحانہ اور دفاعی پوزیشنوں کی وضاحت کی گئی ہے اور کہیں بھی دو یا تین رکعات کا ذکر نہیں ہے۔

نکتہ نمبر 11: اس بیان سے مکمل اتفاق ہے۔ صرف اتنا ضرور عرض گزار ہوں کہ پرستش اور فرمانبرداری کو ایک تواتر سے ایک ہی معنی میں لکھنا مناسب نہیں ہے۔ دونوں الفاظ میں بُعدَ المشرقین ہے۔

"پرستش" کے ضمن میں تو اقبال کی قرآنی دانش کا ایک نمونہ رقم کر دینا ہی کافی ہے:۔

تقدیر کو روتا ہے مسلمان سرِ محراب	بت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے برہمن
قسمت ہے غریبوں کی وہی نالہ و فریاد	پوجا بھی ہے بے سود نمازیں بھی ہیں بے سود

اور رہی اللہ کی "فرمانبرداری" تو جناب من یہی تو قرآن کی تعلیمات کا سَت اور نچوڑ ہے۔ "صلوٰۃ" کا بھی یہی مفہوم ہے اور "عبادت" سے بھی یہی مراد۔ "اطاعت" بھی یہی ہے تو "اتباع" بھی یہی۔ اور اس کیلئے لوٹا، استنجا، مصلیٰ اور ٹوپی درکار نہیں بلکہ:۔

لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا	یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے

شروعِ مضمون کے جس پیراگراف میں ناچیز نے تضادات کو بیان کیا ہے اس ضمن میں یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ قرآنی فلسفۂ حیات نہایت مربوط اور باہم منطبق ہونے والی شقیں رکھتا ہے۔ تضادات اور فکری تطابق سے محرومی وہیں پیدا ہوگی جہاں اس کی کسی بھی شق کو اصل معانی سے ہٹ کر لیا جائیگا۔ صلوٰۃ کا معنی اس کے مادہ سے ہٹ کر لینے سے اس فلسفے کا سارا انضباط اور توافق باہمی درہم برہم ہوا۔ اس وجہ سے صاحب مضمون کی سوچ و فکر سے بھی ربط وضبط معدوم ہو گیا۔ اِسی لئے کہیں نماز قرآن سے ثابت ہوگئی اور کہیں وہی نماز بے سود۔ کہیں تین نمازیں مستحسن ہوگئیں تو پانچ معتوب۔ کہیں خدا کے علم میں دیگر احوال تو آ گئے لیکن دوسری طرف اُسکا علم حاجات کو جاننے سے ناقص رہ گیا۔ کہیں وہی نماز گناہ کا لائسنس بن گئی اور کہیں اُس سے انکارِ قرآن میں تحریف۔ شاید اسی لیے فرمایا گیا کہ "اُدخُلُو فی السِلمِ کآفۃً " (2/208) اور "اَفَتُومِنُونَ بِبعَضَ الکِتابِ وَ تَکفِرُونَ بِبعَض " (2/85)۔ یعنی اس فلسفہ حیات میں داخل ہونا ہے تو پوری کی پوری تھیوری صحیح لینا ہوگی۔ یہ نہیں ہو سکے گا کہ کچھ حصے تو ٹھیک سمجھ لیے گئے ہوں اور کچھ پر فہم اصول وقواعد سے ہٹ گئی ہو اور گاڑی پھر بھی سیدھی ہی چلتی رہے۔

روایتی نماز اور سجدے کے بارے میں اقبال کے چند اشعار سے مدد لینا چاہونگا۔ اس لیے کہ موصوف ایک ہزار سال میں قرآن کے سب سے بڑے فلاسفر / دانشور گزرے ہیں۔ ہُماشُما کی طول طویل موشگافیوں کی بجائے چند اشعار میں فہم کی مشکلات آسان کرتے اور چابکدستی سے دریا کو کوزے میں بند کرتے ہیں اور اسکے ساتھ ہی ادب کیساتھ مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ اس امید کے ساتھ کہ اپنے موقر جریدے میں جگہ دیکر قرآن کے طالبعلموں کیلئے فکر و فہم کا مواد مہیا کریں گے:۔

غلاموں کی نماز (ترکی وفد ہلال احمر کی لاہور آمد کے موقع پر)

کہا مجاہد ترکی نے مجھ سے بعد نماز	طویل سجدہ ہیں کیوں اس قدر تمہارے امام؟
وہ سادہ مردِ مجاہد وہ مومنِ آزاد	خبر نہ تھی اسے کیا چیز ہے نمازِ غلام!
ہزار کام ہیں مردانِ حر کو دنیا میں	اِنہی کے ذوقِ عمل سے ہیں امتوں کے نظام
بدن غلام کا سوزِ عمل سے ہے محروم	کہ ہے مرور غلاموں کے روز وشب پہ حرام
طویل سجدہ اگر ہیں تو کیا تعجب ہے	ورائے سجدہ غریبوں کو اور کیا ہے کام!
خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو	وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام

لیکن بہرطور اگر میرے ممدوح دونوں بزرگ اس کے بعد بھی صلوٰۃ مئوقت کے ضمن میں اپنی سوچ پر قائم رہنے کا ارادہ فرمائیں گے تو سب سے پہلے اُن کی آزادیٔ فکر کے حق میں اس ناچیز کی صلوٰۃ (تائید تحسین، حوصلہ افزائی) مئوقت بھی اور جامعی بھی، ہمیشہ ان کے ساتھ رہے گی۔

صلوٰۃ موقت (حصہ دوم)

فطرت افراد سے اغماض بھی کرلیتی ہے　　　کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

مئی اور جون 2007 کے بلاغ القرآن کے شماروں میں "صلوٰۃ مؤقت" کے عنوان سے شائع ہونے والے دو عدد مضامین جو بالترتیب محترم قاضی کفایت اللہ اور محترم اللہ دتہ متقی نے قلمبند فرمائے تھے۔ اس تحریر کے لکھے جانے کے وقت تک تنازعے اور تلخ نوائی کا موجب بن چکے ہیں۔ آج کے مقبول و محترم قرآنی اسکالر عزیز اللہ بوہیو صاحب کیونکہ دونوں متذکرہ فاضل مقالہ نگاروں کے اس موضوع پر تحریر شدہ افکار سے اختلاف رکھنے والے مکتب فکر سے متعلق ہیں۔ اس لئے انہوں نے جواباً اس مکتب فکر کی جانب سے دلائل و براہین پیش کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ دونوں جانب سے جواب در جواب کا سلسلہ جاری ہے اور نوبت بہ ایں جا رسید کے ایک جانب سے دوسرے کو منکر صلاۃ، اسلام کا دشمن، عجمی، طاغوتیت اور عجمیت فاسدہ کا ترجمان وغیرہ قسم کے القابات سے نوازا گیا۔ پھر دوسرے جانب سے بھی ردعمل کے طور پر کچھ سخت الفاظ نوٹ کئے گئے۔ ہم سبھی یقیناً اتفاق کرینگے کہ یہ انداز بیاں شائستگی کی حدود سے ماوراء اور قرآن کا علم بلند کر کے چلنے والوں کے شایان شان نہیں ہے۔ بنا بریں یا تو یہ مجادلہ یہیں روک دیا جائے یا پھر مشکل فیصلے ایک دوسرے کی علمی معاونت اور باہمی احترام کے جذبے کیساتھ کئے جائیں۔ فیصلے نہ بھی ہوسکیں تو قرآن کے طالبعلموں کو علمی مواد فراہم کر کے ان کیلئے آسانیاں پیدا کرنے کا جذبہ تمام دوسرے جذبات سے بلند ہو۔

دیکھیئے ہم سب کے مالک نے اس ضمن میں ہمیں کیا ہدایت کی ہے جسکی معصیت کے ہم نادانستگی میں مرتکب ہو رہے ہیں:۔

1۔ 49/11: وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (ایک دوسرے کے برے نام مت رکھو)

2۔ 49/11: وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَکُمْ (آپس میں ایک دوسرے پر الزام تراشی مت کرو)

3۔ 4/5: قُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلاً مَّعْرُوْفاً (ایسی زبان بولو جو معاشرے میں شریفانہ زبان تسلیم کی جاتی ہو)

اقبالؒ نے بھی ان الفاظ میں تنذیر کا حق ادا کیا:

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے　　　فقیہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی

اس ناچیز نے قبل ازیں ایک مضمون مندرجہ بالا عنوان ہی کے تحت نہایت ادب واحترام کیساتھ تحریر کر کے محترم مدیر بلاغ القرآن لاہور کی خدمت میں ارسال کیا تھا جو دونوں مذکورہ بالا مضامین کے جواب میں مفاہمت اور ہمنشینی کے صادق جذبات کا امین تھا۔ افسوس کہ وہ مضمون چھپنے کی بجائے اشاعتی مصالح کی نذر ہو گیا۔ اس مضمون کے ساتھ اُس بدقسمت مضمون کی ایک نقل بھی منسلک ہے تاکہ تسلسل کی آسانی ہو۔ اس مرتبہ یہ تحریر براہ راست متعلقہ فریقین کو بھی ارسال کی جارہی ہے۔

جو چیز اس احقر کی سمجھ سے بالاتر ہے وہ یہ ہے کہ ایک انتہائی حساس موضوع پر ایک خاص نقطہ نظر تو دو جوانب سے بڑی وسعت نظر سے کام لیتے ہوئے شائع فرما دیا جائے۔ لیکن اسی حساس موضوع پر جواباً دوسرا نقطہ نظر جو قطعاً سوقیانہ پن سے پاک اور احترام کے جذبات سے لبریز بھی ہو، اتحاد و یگانگت کا علمبردار بھی ہو اور سب سے بڑھ کر قرآن عظیم ہی کے الفاظ مبارکہ کو دلیل و حجت بھی ثابت کرتا ہو، اسے جانب

داری اور ناانصافی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، ردی کی ٹوکری میں اس طرح پھینک دیا جائے کہ اس قلمی کاوش کرنے والے کو اپنی تحریر کے انجام کا ہی علم نہ ہوسکے۔ نہ ہی وہ نیک مقاصد پورے ہو پائیں جنکے تتبع میں وہ کاوش کی گئی۔ ایک عدد حساس، اختلافی نقطہ نظر شائع کرنے کے بعد یہ کسی بھی بلاغ القرآن جیسے مؤقر جریدے کے کارپردازان کا فرض بن جاتا ہے کہ وہ اس عنوان پر آنیوالی ایسی دوسری آراء بھی شائع فرمائیں جو معاملے کو قرآنی تناظر میں ہی دوسرے زاویے سے پیش کررہی ہوں۔ مقصد ہمارا اس ضمن میں وہی ذاتی مفادات سے بلند و بالا ہو۔ یعنی قارئین کو اپنا فیصلہ خود کرنے کی آزادی دی جائے۔ اس طرح کہ انہیں یکطرفہ سوچ کی پیروی نہ کرنی پڑے اور قرآن کریم کے طالبعلموں کو زیادہ سے زیادہ مواد فراہم کیا جائے تا کہ ان کا کام آسان ہوجائے۔ انا پرستی اور فتویٰ گری کے رویوں کی حوصلہ شکنی ہو۔

راقم کو بمشکل اس بات کا یقین ہوا کہ بلاغ القرآن جیسے مؤقر جریدے نے اگست 2007 کے شمارے میں صفحات 28 اور 29 پر جس انداز کا طرز تخاطب اور جس قسم کے الفاظ موجود ہیں وہ برضا و رغبت شائع کیئے ہونگے۔ قرآنی فکر کو فروغ دینے کا نصب العین ہو اور اس قسم کی مغلوبِ جذبات تحریر کو شرف قبولیت بخشا جائے؟ معافی چاہونگا اگر غلط بات قلم سے نکل گئی ہو کیونکہ:۔

برتر از گردوں مقام آدم است　　　　اصل تہذیب احترام آدم است

فرمان الٰہی بھی ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ 17/17 (تمام انسانوں کو ہم نے احترام کا رتبہ دیا ہے)

آئیں اب افہام و تفہیم کی راہ اختیار کرتے ہوئے موضوع زیر تحقیق پر کچھ گفتگو کرلی جائے۔ ناچیز کی رائے میں موضوع کی اصل و بنیاد سے ہٹ جانے کی وجہ سے معاملہ اتنی زیادہ طوالت اختیار کرگیا کہ محترم بوھیو صاحب کو 11 سوالات اور ایک پورا مضمون شائع کرنا پڑا۔ متقی صاحب کو ان کے جواب در جواب کا مضمون لکھنا پڑا اور لفظ "کٹ حجتیاں" استعمال کرنا پڑا۔ پھر محترم قاضی صاحب کو 13 صفحات اور ان گنت بے سود سوالات پر مبنی مضمون اور ایک اور ایسا مضمون بھی لکھنا پڑا جو بلاغ القرآن نے شائع کرنے سے معذرت کردی (بحوالہ شمارہ ستمبر 2007 صفحہ نمبر 28)۔ پھر محترم بوھیو صاحب نے ایک اور 10 بڑے صفحات پر مبنی مضمون تحریر کیا جو فی الوقت طباعت کے مرحلے سے گزر رہا ہے۔ غالبًا جلد ہی شائع کردیا جائیگا۔ یہ مضمون صاحبِ مضمون کی ذرہ نوازی کی بدولت اس احقر کی نظر سے بھی گزر چکا ہے۔

دراصل اس مسئلے کی بنیاد و اساس لفظ "صلوٰۃ" کا لغوی معنی ہے۔ صلوٰۃ کے موضوع پر کچھ بھی تحریر کرتے ہوئے اگر ہم اس لفظ کے مادہ کے لغوی معنی سے انحراف کریں گے تو ہماری تحریریں اور اُن کا تمامتر استدلال بمعہ اپنی تمام تر طوالت کے سند و جواز سے محروم ہوجائینگی۔ گویا ہوا میں محل تعمیر کرنے کی سعی لاحاصل کی گئی ہو۔ قرآن حکیم میں اس لفظ کی حامل آیات سے استنباط نتائج اور استخراج مفاہیم کرتے وقت اُسی لغوی معانی سے ہم آہنگی اور موافقت و مطابقت کو پیش نظر رکھنا ہوگا ورنہ فہم اصل خطوط سے ہٹ جائیگی اور تاویلات کے سہارے بھٹکنا مقدر ہوجائیگا۔ نتیجتاً فکر بھی توازن سے محروم اور تضادات کا شکار ہوجائیگی۔ قرآن کا اصل پیغام و فلسفہ یعنی کُل بنی نوع انسان کی پرورش اور نشوونما کا نظام قائم کرنا، بے بنیاد نکتہ آفرینیوں، علم الکلام کی موشگافیوں اور پرستش و پوجاپاٹ کی بھول بھلیوں میں گم ہوجائیگا۔ ناچیز کی رائے میں صرف یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جس کی رو سے اس جاری شدہ طولانی بحث کو سمیٹا اور حتمی رائے تک فوری طور پر پہنچا جاسکتا ہے۔

یہ کہنا تو یہاں ضروری ہی نہیں سمجھتا ہوں کہ اس ضمن میں رسول اللہ سے منسوب احادیث کے حوالے دینا قرآن کے طالبعلموں کو زیب نہیں دیتا۔ کیونکہ حدیثیں متفقہ طور پر ظن ہیں (قَالَ رَسُولَ اللّٰہ ....أو کَمَا قَالَ.....) اس لئے گلیوں، بازاروں اور قریوں میں پھیلی ہوئی گپ شپ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔ یہ خلاف قرآن مواد پر مشتمل ہیں۔ رسالتمآبؐ، امہات المومنینؓ اور صحابہ کرامؓ کی ناموس کو داغدار کرتی ہیں اور اسلام کے صدر اول کی سنہری تاریخ کو مسخ کرتی ہیں۔ یہ ایک ایسی "خفی وحی الٰہی" ہے جسکے سب سے "مستند" جامع ومرتب نے اسکا ایک فیصد حصہ بھی قابل استفادہ نہ باور کیا اور چھ لاکھ "وحی الٰہی" میں سے پانچ لاکھ ستانوے ہزار سے زائد خود اپنی ذاتی صوابدید پر زائل وساقط کر دیں۔ بقایا دو ہزار سات سو کچھ کا یہ عالم ہے کہ اسلام دشمن جب چاہیں اسکے "مستند" حوالے سے رسالتمآبؐ کی اور دیگر قدسیوں کی شان اقدس میں جتنی چاہے گستاخیاں کر سکیں۔ یہ تمام مذکورہ مضامین قرآن کریم ہی کو واحد ماخذ دین سمجھنے کی بنیاد پر لکھے جا رہے ہیں جو کہ تنہا دینی یقینیات کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے خارج از قرآن مواد کا حوالہ درخور اعتناء نہیں ہونا چاہیے۔ نوٹ فرمائیں آیت 10/36: اِنَّ الظَّنَّ لاَ یُغنِي مِنَ الحَقِّ شَیئاً (ظن یعنی قیاس حق کے مقابلے میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا)۔ اور امام مالک بن انس کا احادیث کے بارے میں متواتر قرآن کی یہ آیت دہرانا: اِن نَّظُنُّ اِلاَّ ظَناً وَمَا نَحنُ بِمُستَیقنِین (ہم تو صرف قیاس ہی کرتے ہیں۔ ہم یقین رکھنے والوں میں نہیں ہیں)۔ اور پھر فرمان الٰہی: (39/23) اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحسَنَ الحَدِیث کِتَاباً مُتَشَابِھاً مَثَانِیَ (اللہ ہی نے سب سے حسین حدیث نازل کی ہے جو کتاب کی شکل میں ہے باہم مربوط ومتماثل اور بار بار دہرائی ہوئی ہے)۔

تو آیئے صلوٰۃ کے لغوی معانی (ایک بار پھر) دیکھ لیتے ہیں: مادہ ص ل و اور ص ل ی۔ تمام مستند لغات اور دیگر محققین کے فیصلوں کے مطابق اسکے معنی پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں یعنی پیروی اور اتباع کے۔ اسی مناسبت سے سَابِقٌ آگے جانے والے کو اور اَلمُصَلِّی اس کے پیچھے جانے، پیروی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ ائمہ لغت نے اس پیروی میں لزوم، وابستگی اور پیوستگی کو بھی شرائط ٹھہرایا ہے۔ اَلصَّلاَ پشت کے درمیانی حصہ کو کہتے ہیں۔ کولہے کا ڈھلوان یا وہ حصہ جس پر جانور کی دم ہوتی ہے۔ اس معنی میں یہ وابستگی اور پیوستگی کیساتھ پیچھے چپکا ہوا چلا آنے کی شرائط پوری کرتا ہے۔ خود قرآن حکیم نے اپنی آیات میں تقابلِ ضِدَّین کا اسلوب اختیار کر کے اس لفظ کے معانی پیروی، اتباع، Follow کرنا ثابت کیئے ہیں۔ (راقم کے پہلے مضمون میں تمام حوالے درج ہیں)۔ پھر قرآنی اصطلاح کی حیثیت میں اسکے معنی فطرتاً پیروی احکام الٰہی ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ پیروی احکام الٰہی انسان حیوان اور تمام مظاہر فطرت کیلیئے فرائض منصبی، نصب العین، اطاعت کا مرجع وغیرہ کا درجہ رکھتے ہیں اس لئے یہ الفاظ بھی لفظ صلوٰۃ کے معانی قرار پاتے ہیں۔ نیز پیروی احکام الٰہی کا عمل تحسین وآفرین، تائید ونصرت اور حوصلہ افزائی کا موجب وحقدار ہوتا ہے اس وجہ سے یہ بھی اس لفظ کے معانی ہیں اور قرآن سے ثابت ہیں۔

اب اگر اسی جگہ یعنی لغوی معنی کی ابتدا ہی سے اختلاف رائے پیدا ہو جائے اور اس معنی کی نفی کرتے ہوئے یا بے جا اضافہ کرتے ہوئے اسے فارسی لفظ نماز کا بھی مرادف قرار دیا جانے لگے جس کا مطلب پرستش، پوجا worship ہو تو ظاہر ہے کہ بحث وتحقیق کا اسی نکتہ پر روک دیا جانا ایک بہتر فیصلہ ہوگا۔ کیونکہ لغوی معانی کی تحریف کا مسئلہ جڑ بنیاد سے ہی ہر قسم کے تبادلہ خیالات کو بے سود بنا دیگا۔ اسی لئے موقت نماز اور اجتماعی نماز وغیرہ مسائل کا قرآنی دلائل سے اثبات وانکار کرنے کی تمام علمی اور قلمی کاوشیں بے سود ہی رہینگی۔

آیات کے مفاہیم میں صلوٰۃ کے بنیادی معنی کیساتھ توافق وتطابق

آیئے چند آیات کو سامنے رکھتے ہیں اور یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہاں صلوٰۃ کے حقیقی لغوی معنی سے توافق وتطابق ثابت ہوتا ہے یا لفظ مروجہ (قیام، رکوع، سجود والی) نماز سے۔

1۔ 24/41: اَلَم تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہُ مَن فِی السَّمٰوٰتِ وَ الاَرضِ وَالطَّیرُ صٰفّٰتٍ کُلٌّ قَد عَلِمَ صَلَاتَہُ وَ تَسبِیحَہُ۔۔۔

(زمین وآسمانوں کی جملہ مخلوق اور پرندے بھی صف در صف اللہ کی طرف سے عائد کردہ نصب العین اور فرائض کا علم رکھتے ہیں اور ان فرائض کی ادائیگی کی جدوجہد میں مصروف عمل ہیں)۔

سوال: کیا یہاں ہم صلوٰۃ کے حقیقی معنی کی بجائے دوسرے نقطہ نظر کی تائید میں مروجہ نماز کو مندرجہ مفہوم میں شامل کر سکتے ہیں؟ کیا تمام مخلوقات، جمادات حتی کہ پرندے بھی مروجہ نماز ادا کرتے یا کر سکتے ہیں جیسا کہ محترمین متقی اور قاضی صاحبان کا صلوٰۃ کے معنی کے بارے میں موقف ہے؟ یقیناً نہیں۔

2۔ 9/103: خُذ مِن اَموَالِھِم صَدَقَۃً تُطَھِّرُھُم وَ تُزَکِّیھِم بِھَا وَصَلِّ عَلَیھِم ۔ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّھُم۔

(ان کے مالوں سے صدقہ لو تا کہ تم اس کے ذریعے ان لوگوں کی تطہیر اور نشو ونما کے اسباب کر سکو اور ان کی حوصلہ افزائی/ تحسین کرو۔ یقیناً تمہاری حوصلہ افزائی/ تحسین ان کے لئے تسکین کا باعث ہے)

سوال: کیا یہاں ہم پھر صلوٰۃ کے لغوی معانی چھوڑ کر مروجہ نماز کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں؟ کیا ہم "ان پر نماز پڑھ" کہہ سکتے ہیں یا پھر یہ کہ "تیری نماز" ان کیلئے تسکین کا باعث ہے؟ یقیناً نہیں۔

3۔ 33/52: اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہُ یُصَلُّونَ عَلَی النَّبِیِّ ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُو صَلُّو عَلَیہِ وَ سَلِّمُو تَسلِیمًا۔

(بے شک اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر تحسین وحوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی نبی پر تحسین کرو اور اس کے احکامات کے سامنے مکمل سر تسلیم خم کر دو)۔

سوال: کیا یہاں ہم کہہ سکیں گے کہ صلوٰۃ کا معنی نماز ہے اور اللہ اور ملائکہ "نبی پر نماز" پڑھتے ہیں اور مومنو تم بھی "نبی پر نماز" پڑھو؟ یقیناً نہیں۔

4۔ 33/43: ھُوَ الَّذِی یُصَلِّی عَلَیکُم وَ مَلٰٓئِکَتُہُ لِیُخرِجَکُم مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّورِ ۔۔۔

(اللہ اور اسکے فرشتے تم لوگوں کی تائید ونصرت فرماتے ہیں تا کہ تمہیں تاریکیوں سے نور کی طرف لے جائیں)

سوال: کیا یہاں ہم کہہ سکیں گے کہ اللہ اور اسکے ملائکہ "تم پر نماز پڑھتے ہیں" تا کہ۔۔۔؟ یقیناً نہیں۔

لفظ صلوٰۃ پر نماز پڑھنے کے معانی نہ ہی یہاں منطبق ہوتے ہیں نہ ہی اس کے صحیح لغوی معنی کی رو سے پورے قرآن حکیم میں کہیں اور۔ تو پھر یہاں یہ مودبانہ عرض کیوں نہ کی جائے کہ آیئے اس لفظ نماز اور اسکے بے سند وجواز مفہوم کو بالکل ترک کر کے اس کی صلوٰۃ کے لغوی معانی میں ملاوٹ روک دی جائے۔ از سر نو تحقیق کے ذریعے خالص قرآن کے متبعین کی صفوں میں اتحاد پیدا کیا جائے اور نئے علمی آسمانوں اور عملی

بلندیوں کی طرف عالمگیر فلاح انسانی کی بنیاد پر کندھے سے کندھا ملا کر پیش قدمی شروع کر دی جائے۔

اس ناچیز کے ذاتی تصورات کے مطابق محترم عزیز اللہ بوھیو کا قرآنی مفاہیم کی تطہیر و تبلیغ و اشاعت کا بانگ دہل، بلاخوف ضیاع جان و مال، سلسلہ قائم کرنا، انہیں ہم سب قرآنی طالبعلموں کیلئے بہت ہی قیمتی اثاثے کا درجہ عطا کرتا ہے۔ ہماری صلوٰتوں کو ہمہ وقت ان کے ساتھ ساتھ ہونا چاہیے۔ محترم ہیں وہ لوگ جو اللہ کے پیغام کو صدیوں سے پڑے التباس سے آزاد کرانے کی جدوجہد میں مصروف عمل ہیں اور اس سلسلے میں کسی بھی اندیشے کو قابل اعتنا نہیں گردانتے۔ دوسری طرف محترم متقی صاحب کا مضمون بعنوان "الارض للہ" (ستمبر 2007) پڑھ کر کون قرآنی اسکالر یا طالبعلم ان کی تحسین و آفرین نہ کریگا۔ اسی طرح محترم قاضی کفایت اللہ کا مضمون بعنوان "امت مسلمہ اور قرآن حکیم کی مسئولیت" (بلاغ القرآن ستمبر 2007) پڑھ کر کون ان کی قرآن خالص سے وابستگی کا انکار کر سکے گا۔

آیئے ہم سب ایک دوسرے کے حق آزادی رائے کا احترام کریں شائستگی کو زندگی کی سب سے گراں مایہ متاع تسلیم کریں اور ایکبار از سرِ نو علم کے میدان میں خود احتسابی کریں اور دیکھ لیں کہ ہم کہاں کہاں غلطی پر ہیں کیونکہ کوئی بھی بنی آدم سہو و خطا سے منزہ نہیں اور نہ ہی آخری سند و حجت ہے اور یقین کامل رکھیں کہ:

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش — اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائیگی
اس قدر ہوگی ترنم آفریں باد بہار — نکہت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائیگی
آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک — بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائیگی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں — محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

زمانہ برق رفتاری سے آگے بڑھ رہا ہے۔ کیا خبر کل ارتقاء کا عمل اور وقت کا تقاضہ فکر و فہم کو کہاں سے کہاں لے جائے۔ قرآن کی آخری تشریح تو دنیا کے آخری انسان پر چھوڑنی پڑے گی۔ جب شعور مزید ترقی کریگا تو شاید معانی و مفاہیم وہ نہ رہیں جو آج ہیں۔ یقیناً قرآن حکیم اس وقت بھی ہدایت کا منبع و ماخذ ہوگا۔ ہماری موجودہ فہم بہت پیچھے رہ جائیگی:-

عقل ہے بے زمام ابھی، عشق ہے بے مقام ابھی — نقش گر ازل ترا نقش ہے ناتمام ابھی

مضمون کو بالالتزام مختصر اس لئے رکھا ہے کہ فاضل اساتذہ تمام ضروری حوالہ جات کیساتھ تحتِ عنوان مکمل مواد سپرد قلم کر چکے ہیں "اور میں کیا اور میری بساط کیا"۔ اپنے تئیں اساتذہ کے پیروں کی خاک سمجھتا ہوں۔ غلطیوں سے مطلع فرمائیں تو از حد مشکور ہونگا۔

اورنگ زیب یوسفزئی

دسمبر 2007

صَلوٰۃِ مُئوقّت (حصہ سوئم)

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی — برقِ طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی

رہ گئی رسم اذان روحِ بلالی نہ رہی — فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

میں بہت ممنون ہوں محترم قاضی صاحب کی اس عنایت کا کہ میرے دو عدد مضامین میں گذاری گئی معروضات کا کم از کم اس حد تک اثر انہوں نے قبول فرمایا کہ نومبر کے شمارے میں طول طویل حکایات لکھنے کے بعد وعدہ فرمایا کہ ہم آئندہ سوال و جواب کے علمی مشغلہ میں ایک دوسرے پر فتوے بازی اور سخت زبان کا استعمال نہ کریں گے۔ جواباً علامہ بوھیو صاحب نے اپنے حالیہ پرمغز مقالے "کیا ہماری نمازیں قرآنی صلوٰۃ ہے؟" میں اسطرف اشارہ بھی دیا لیکن قاضی صاحب کے سابقہ لگائے گئے سخت الزامات پر تکدر کا اظہار بھی فرمایا۔ گمان غالب یہی تھا کہ ایک عالم ہونے کے ناتے قاضی صاحب آئندہ شائستگی کی زبان استعمال کرنے کا التزام فرمائینگے۔ مگر دسمبر 2007 کے شمارے میں محترم پھر جذباتِ سفلیہ کی رُو میں بہہ گئے۔ ملاحظہ فرمایئے اُن کا نیا ذخیرہِ الفاظ جسے تہمت تراشی کیلئے استعمال کیا گیا:-

منفی و سلبی ذہنیت۔ یورپی دجالی فکر و فلسفہ کی پیروی۔ منفی و تخریبی لٹریچر کی گولا باری کرنے والے۔ اختلاف و تفرقہ اور انتشار و خلفشار کے زہریلے جراثیم کی پیدائش میں اضافہ کرنے والے۔ پرلے درجے کی جہالت و حماقت۔ فریب نفس اور ابلیسی ترغیب۔ بار بار منکرین صلوٰۃ کا فتویٰ (یہ جاننے کے باوجود کہ اختلاف رائے صرف اصطلاح کے معانی میں ہے اور منکر نہ آپ ہیں نہ ہم)۔ اس افسوسناک صورتحال کے بارے میں صرف یہی عرض کرونگا کہ:

فقیہہِ شہر قارون ہے "لغت ہائے حجازی" کا

قلندر جُز دو حرفِ لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا

کمترین پہلے ہی عرض گذار چکا تھا کہ لغوی معانی کسی بھی لفظ کی بنیاد ہے۔ اگر آپ کا اختلاف بنیاد ہی سے شروع ہو جائے گا تو تمامتر استدلال بے سود اور وقت کا ضیاع ہوگا۔ بہتر ہوتا کہ علمی بحث کا مرکز و محور صلوٰۃ کا لغوی معانی ہی ہوتا تا کہ دونوں طرف کے موقف براہ راست کھل کر سامنے آجاتے۔ بہر حال شمارہ دسمبر میں پھر قاضی صاحب کا مضمون زیرِ نظر ہے۔ مودبانہ عرض ہے کہ محترم صلوٰۃ اور نماز کے موضوع کا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟ کیوں آں جناب انسانوں کی عزت کرتے ہوئے انہیں اپنی اپنی صوابدیدی فہم کی پیروی کی آزادی دینے پر تیار نہیں۔ اپنی حسب منشاء تاویلات زبردستی منوانے کیلئے انہیں پہلے تو اُولِی الاَمر کا درجہ حاصل کر لینا ہوگا۔ یہ فتوے، یہ دشنام طرازی، زبانِ طعن کی درازی، یہ زعمِ راست بازی اور یہ جبر موجودہ صورت احوال میں تو صرف اُن کے اپنے اخلاقِ حسنہ کو ہی بگاڑنے پر تلے کھڑے ہیں۔ نوبت بہ ایں جارسید کہ موصوف خدا کے عطا کردہ عظیم الشان منشور "اَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ" کے عربی معاشرے میں رائج "تاریخی و معاشرتی" مفہوم کو سمجھانے کے نام پر انسانی ہاتھوں کی بنائی حقیر و منجمد اشیاء جیسے ہل' پنجالی' ڈولی اور ڈوئی جیسی مثالیں نہ جانے کس سیاق و سباق میں دے رہے

ہیں؟ کیا خدا اور قرآن کا احترام، اس جاری مجادلے کے دوران، ان کے دل ودماغ سے، انسانی احترام کی طرح، بالکل ہی کافور ہو چکا ہے؟ کیا محترم نے اس قسم کی حقیر اشیاء کی مثالیں اور طفلانہ سوالات کی لسٹ مرتب کر کے اپنا درجہ ومرتبہ ایک تیسری جماعت کے دیہاتی استاد کے درجہ تک نہیں گرالیا ہے؟ انسان دشمنی تو اپنی جگہ سہی کہ اسکا تو پھر بھی مخالف موقف ہونے کے سبب، تنگ نظر انسان ارتکاب کرتے رہتے ہیں مگر وائے افسوس کہ ایک نقطۂ نظر، غلط یا صحیح، کی حمایت میں خدا دشمنی اور قرآن دشمنی کی حد تک گر جانا ایک محترم عالم دین کو کہاں زیب دیتا ہے۔ فہرستیں مرتب کر کے یہ جتلانا کہ قرآن کتنا نامکمل اور اجمالی ہے۔ نعوذُ باللہ خدا کا کلام کتنا ناقص ہے!

بتا ہی ہے ہم پر کہ عمر کے اس حصے میں جہاں اگلا جہان کھڑکی کے پار صاف نظر آرہا ہو، ہم اپنے خالق اور اس کے مکمل پیغام ہدایت کی تنقیص کے مرتکب ہوں اور توحید کے ماننے والوں کا رخ اُس اصلِ واحد سے ہٹا کر شرک کی طرف پھیریں اور اس خرافات (روایات) کے مجموعے کی طرف مبذول کرانے کی مذموم کوشش کریں جس پر دشمنان اسلام نے ہمارے رسول کی پاک وبرتر ہستی کا نام زبردستی چپکا دیا تھا۔ اُس ہستی کا نام کہ جسکا اس ارذل مجموعہ کلام سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ جو صرف کتاب اللہ ہی کی زبان بولتا تھا اور اسی کی من وعن پیروی کرانے کا مکلّف تھا۔ اسمیں حک واضافہ وترمیم کا اسے بھی کوئی اختیار نہ تھا۔

صلوٰۃ کے مفہوم کیلیئے قاضی صاحب ہمیں اُس "علم" کی طرف رجوع کرنے کی نصیحت کیوں فرما رہے ہیں جو قرآن مخالف، رسالتمآب کی کردار کشی، امہات المومنین اور صحابہ کرام کے ناموس کو برباد کرنے والے مواد پر مشتمل ہے؟ اور کس اصول وقانونِ زبان دانی کے تحت جنابِ محترم لغاتِ عربیہ کو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت دینے پر تیار نہیں ہیں؟ ان لغات کو جناب نے عجمی کا درجہ اس لئے دے دیا کہ وہ جناب کے خود ساختہ باطل مفہوم کی بالکل ہی تائید نہیں کرتیں۔ بیک جنبشِ قلم فیروز اللغات، تاج العروس، محیط المحیط، ابن فارس، مفرداتِ راغب، لُغاتُ القرآن اور دیگر تمام مسلمہ مستند لغات کو موقوف کر دینا قاضی صاحب جیسے عجوبہ روزگار کا ہی کام ہے۔ دنیا میں اب تک یہ ایک واحد نابغے کی صورت اختیار کر چکے ہیں جس نے کسی لفظ کا لغوی مطلب باطل کرنے کی کوشش میں اُس زبان کی تمام لغتیں صفحہ ہستی سے ہی مٹا دینے کی نیت کی ہے!

معافی چاہتے ہوئے عرض کرونگا کہ پیروی واتباعِ احکام الٰہی (صلوٰۃ) کے ذریعے ایک بھرپور خوشحال معاشرہ قائم کرنے کی عملی میدان میں کوششوں اور کاوشوں کی بجائے محترم قاضی صاحب "سجدہ" کر کے زمین چاٹنے اور دُبر اونچا کرنے کو ہی اطاعت کی عملی تفسیر قرار دینے پر جوتلے کھڑے ہیں اسی رویے کے تواتر کے سبب امت مسلمہ بتدریج زوال کی طرف گامزن ہوئی اور آخر کار آج غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دی گئی ہے۔ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ بھوک افلاس، ظلم وجبر، لوٹ کھسوٹ واستحصال، بے روزگاری، ڈکیتی راہزنی، جھوٹ منافقت وغیرہ وغیرہ۔ ایسی دائمی بیماریاں ہیں جو صرف زمین چاٹنے اور پیٹھ اونچی کر کے اُلٹے ہو جانے سے دور ہو پاتیں تو آج جبکہ یہ فعل کم از کم ایک ارب مسلمان روزانہ ادا کر رہا ہے تو اب تک دور نہ ہو چکی ہوتیں! اس سے قبل بھی عرض کیا ہے کہ لوٹا، استنجا، تسبیح ومصلّی اور دُبر اونچی کر کے روزانہ متعدد مرتبہ اُلٹا ہو جانا صرف ایک باطل طریقِ پرستش ہے۔ جس کی اللہ کو ضرورت نہیں ہو سکتی۔ قرآن کا مجموعی پیغام تو اس کے احکامات کے عین مطابق چلنے والا نظام حکومت قائم کرنا ہے۔ اس نظام حکومت کا اتباع کرنا ہی اَقِیمُوا الصَّلٰوۃ ہے۔ اسی اتباع سے ایک فلاحی ویلفیر اسٹیٹ (اٰتُوا الزَّکوٰۃ) قائم ہوتی ہے اور اللہ کے قانون کا بول بالا ہوتا ہے (لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُم)۔ کسی بھی عمل کی درستگی پرکھنے کا معیار صرف نتائج ہوتے ہیں

اورزمینی حقائق۔زبانی دعوے نہیں۔

رہ گئی قاضی صاحب کی بسیار نویسی تو اپنی مرضی کی تاویلیں گھڑنے کے لئے اورحق کو توڑ مروڑ کر اپنے ذاتی موقف کی تائید میں گھسیٹنے کیلئے بسیارنویسی ہی کی ضرورت پڑتی ہےخواہ وہ غیر مربوط اور تضاد سے پر ہو۔حق اپنی اصل صورت میں مختصراور دوٹوک اور واضح ہوتا ہے۔محترم کی لن ترانی اور تمہید طولانی کے ذریعے قرآن دشمنی کرنے کے مقاصد کے لئے ایک کٹھ پتلی، نام نہاد قرآنی، مصلحت کوشں جریدہ دستیاب ہے اور کم وبیش 20 صفحات پر موصوف کی ہر ماہ مستقلاً اجارہ داری ہے۔ جو چاہے لکھتے رہیں۔لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن کا درجہ گھٹانے اور اسکے خلاف زہر اگلنے اوراسکی تنقیص کے اثبات کیلئے اتنی طویل خامہ فرسائی کرتے آج تک کسی "عالمِ قرآن" کو نہ دیکھا:۔

فقیہِ شہر کی تحقیر کیا مجال میری
مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ہوں دل کی کشاد

محترمی کم ازکم آپکو تو قرآن پرظلم کرنیوالوں میں شامل نہیں ہونا چاہیے تھا۔خدارا اسے معاف فرمادیں۔یہ کتاب تو بھیجی ہی اصحاب علم کیلئے گئی تھی کہ وہ اس کی توقیر وقدرومنزلت اپنی جانوں سے بھی بڑھ کر کریں گے۔یہ لغات ہی کو مسترد کر دینے کی دھاندلی کرنے والوں کیلئے ہرگز نہ تھی۔یہ مقلدین کے مطلب کی کتاب ہرگز نہ تھی۔یہ سجدے کے معنی میں زمین چاٹنے اور دبَر اوپر کرکے اُلٹا ہو جانے والوں کیلئے بھی نہ تھی۔اس مذکورہ عمل کے کرنے سے انسانیت کی جو "فلاح و بہبود" ہورہی ہے وہ جنابِ مَن کے اُسلوبِ نگارش سے بخوبی واضح ہے۔شیخُ الاِسلام ہونے اور عقلِ کل ہونے کا زعمِ باطل جناب کی تحریروں کے ایک ایک لفظ سے ٹپکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی کسی ایک ہدایت کی پیروی کرتے جناب نظرنہیں آتے۔مثلاً قُولُو لَهُم قَولاً سَدِيداً (33/70) قُولُو لَهُم قَولاً مَعرُوفاً (4/5)، يَقُولُوا الَّتِی هِیَ اَحسَن (17/53)، اِجتَنِبُوا قَولَ الزُّور (22/30)، لَا تَلبِسُوا الحَقَّ بِالبَاطِلِ وَ تَكتُمُو الحَقَّ (2/42) هُم عَنِ اللَّغوِ مُعرِضُونَ (23/3) وَلَا تَنَابَزُو بِالاَلقَاب (49/11)، وَلَا تَلمِزُو اَنفُسَكُم (49/11)۔حتی کہ غیر مسلمین کے بارے میں وَلَا تُجَادِلُو اَهلَ الكِتَابِ اِلَّا بِالَّتِي هِيَ اَحسَن (29/46)۔

جنابِ عالی ناچیز تو شاگردوں میں سے ہے۔اتنا کچھ بھی آپ نے مجبور کرکے قلمبند کروایا ہے ورنہ احترام کا جذبہ ہر ہر لفظ پر سدِّ راہ بن رہا ہے۔اگر جناب کی دشنام طرازیاں مشعلِ راہ نہ بن جاتیں تو اتنی سی نکتہ چینی کرنے کی بھی جسارت نہ ہوتی۔مشکل یہ ہے کہ شاگردان اساتذہ کے ہی نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔محترم یاد رکھیئے گا " فَوقَ كُلِّ ذِي عِلمٍ عَلِيم " (76/61) ہر علم والے کے اوپر کوئی نہ کوئی اور علم والا ہوتا ہے۔

اور

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے
زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے

دعوت دیتا ہوں کہ آیئے اور دیکھیئے کہ کہاں تک اور کس کس آیات کی تاویل کرینگے؟ دیکھیئے کتنا بڑا میدان آپ کیلئے کھلا ہے جہاں قرآن کی جامعیت کا اور مفصل ہونے کا ذکر ہے۔

1۔ مَآ فَرَّطنَا فِی الکِتٰبِ مِن شَیئٍ6/38۔
2۔ وَلاَ رَطبٍ وَّلاَ یَابِسٍ اِلاَّ فِی کِتَابٍ مُّبِین6/59۔
3۔ کُلُّ صَغِیرٍ وَّ کَبِیرٍ مُّستَطَرٌ55/53۔
4۔ وَ کُلَّ شَیئٍ فَصَّلنٰہُ تَفصِیلاً17/12۔
5۔ قَد فَصَّلنَا الاٰیٰتِ لِقَومٍ یَّفقَھُونَ 5/96۔
6۔ قَد فَصَّلنَا الاٰیٰتِ لِقَومٍ یَّعلَمُونَ6/97۔
7۔ کِتَابٌ اُحکِمَت آیتہ ثُمَّ فُصِّلَت مِن لَّدُن حَکِیمٍ خَبِیر11/1۔
8۔ اَفَغَیرَ اللّٰہِ اَبتَغِی حَکَماً وَّھُوَ الَّذِی اَنزَلَ اِلَیکُم الکِتَابَ مُفَصَّلاً6/114۔
9۔ تِبیَانًا لِّکُلِّ شَیئٍ16/89۔

(کیا آیت 4 سے 8 تک فُصّل بمعنی فیصلہ لیا جا سکتا ہے؟ سارے معانی بے ربط ہو جائینگے)

دیکھتے یہ ہیں کہ محترم کس حد تک قرآن کے مفصل، کافی اور آسان ہونے کے الٰہی فیصلے کا انکار کرتے جائینگے۔ من گھڑت تاویلیں ایک حد تک جا کر اپنا منہ آپ چڑانے لگ جاتی ہیں۔ کیا کلام الٰہی کی اتنی صریح اور ظالمانہ مخالفت کرتے ہوئے خدا کا خوف آپکو لرزا نہیں دیتا؟

"لَقَد یَسَّرنَا القُرآنَ لِلذِّکر" کے انتہائی سادہ اور دوٹوک الٰہی فرمان کا راستہ روکنے کیلئے اور اسے باطل کرنے اور اسکا رد کرنے کی کوشش میں موصوف نے مضمون میں پھر "صلوٰۃ اور سجدہ" کے ذیلی عنوان کے تحت فلسفیانہ موشگافیاں اور طویل تمہیدیں رقم فرما دیں۔ اگر دوٹوک معروضی گفتگو فرماتے تو بات واضح ہوتی کہ صلوٰۃ میں سجدہ کرنے کا کوئی طریقہ کار بتایا گیا یا نہیں۔ اس کے برعکس ہمیں ایسی بوجھل اور لایعنی الفاظ کی مار سہنی پڑی کہ جو ختم ہونے میں ہی نہیں آتی۔ واضح ہو کہ موجودہ ینگ جنریشن تو اس قسم کی جناتی اصطلاحاتی اردو دیکھ کر ہی بدک جاتی ہے۔ یہ ان کے سروں کے اوپر سے گزر جاتی ہے۔ تعلیم و تعلّم کا سلسلہ وہیں ختم ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ صرف ایک آیت قرآنی اور اقبال کا ایک شعر سجدے کا معاملہ صاف کر دیتا ہے اور جمہورِ وطن آسانی سے ادراک فہم پا جاتے ہیں:۔

سورۃ الرحمان: وَالنَّجمُ وَ الشَّجَرُ یَسجُدَانِ

اور ستارہ بھی اور درخت بھی مکمل اطاعت میں مصروف ہیں یعنی جس کام کیلئے ان کو پروگرام کیا گیا ہے اس کی بجا آوری میں سرگرم ہیں۔ یہاں موصوف ذرا اپنا محدود زاویہ نظر والا ترجمہ کرنے کی کوشش فرمائیں تو کچھ ایسی مضحکہ خیز صورتحال بن جائیگی:

اور ستارہ اور درخت بھی سر نیچے اور دُبر اونچی کر کے زمین چاٹ رہا ہے؟

بھلا درخت اس پوزیشن میں قاضی صاحب والی معانی میں آ گیا تو اپنے فنکشن کیسے انجام دے گا؟ اسکی جڑیں اکھڑ جائینگی اور اسکا پھل زمین بوس ہوکر تلف ہو جائیگا۔ اور پھر چلیئے اقبال کی مدد لے لیتے ہیں:۔

خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو

وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام

بات واضح ہوگئی۔ ملتوں کی زندگیاں اللہ کے احکامات کے تحت میدان عمل میں نکل کر جہد مسلسل سے حاصل ہوتی ہیں۔ خاک چاٹنے سے اللہ تعالیٰ منہ پر خاک ہی دیتے ہونگے کہ آج ہم کافر کے غلاموں کے غلام ہیں۔ اور اس حالت میں بھی قاضی صاحب کو اپنے نطق کی برتری اور اپنی ذات کی اتھارٹی اور سر بلندی کا جنون Rationality سے دور لئے جاتا ہے۔

جناب کے تبصرے "قرآن کے ایک طویل ماضی" سے وابستہ ہونے کے متعلق چند لائینیں ایک مفکر قرآن کی تحریر سے پیش کرنا کافی سمجھونگا۔ "تدبر کا حکم نہ کسی خاص فرد کیلیئے ہے نہ کسی خاص زمانے کیلیئے ہے۔ وہ تمام افراد کیلیئے اور تمام زمانوں کیلیئے ہے۔ اس لئے قرآن کو تقلیداً سمجھا ہی نہیں جاسکتا۔ نہ ہی کسی فرد کا تدبر و تفکر دوسرے کیلیئے سند اور حجت ہوسکتا ہے۔ یعنی اسطرح سے نہیں ہے کہ کسی خاص زمانے میں کسی خاص فرد نے جو قرآن کی تفسیر لکھ لی وہی ہمارے لئے بھی کافی ہوگی۔ ایسا نہیں ہے۔ یہ ہر زمانے کے مسلمان کو ہر زمانے کے انسان کو دعوت دیتا ہے کہ وہ خود قرآن کریم پر غور و فکر کرے۔ اس لئے کسی ایک فرد کا تدبر اور تفکر دوسرے کیلیئے سند و حجت نہیں ہوسکتا"۔

اور جناب کے ریمارک "ان کے طرز عمل سے یوں مترشح ہوتا ہے کہ گویا قرآن حکیم ان پر پہلی دفعہ نازل ہوا ہے" کے ضمن میں صرف اقبال کے ایک شعر پر اکتفا کرونگا:۔

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب

گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

قاضی صاحب ہمیں اس سے کیا کہ متقدمین نے کیا تشریح و توضیح کی تھی اور متاخرین نے کیا رَطبُ اللسّانیاں کی تھیں۔ ہمارا واسطہ آج کے تقاضوں سے ہے۔ آج کے علم و شعور اور ارتقاء کے آج کے درجے (Level) سے ہے۔ ہمارے پاس الکتاب من و عن موجود ہے اور ہمیں حکم ہے کہ ہم سب تدبر و تفقہ کریں کیونکہ وہ ہمارے فہم کیلیئے آسان کی گئی ہے۔ اور اپنے دور حاضر کے تقاضوں کی رو سے ہدایت پائیں۔ آج کی سائنس و ٹیکنالوجی اور خلائی تسخیر کے تناظر میں اور انسانی آزادیوں اور حقوق کے ضمن میں استنباط نتائج کریں۔

ماضی سے وابستگیاں آپ کو مبارک ہوں لیکن دوسروں پر ماضی اور تواتر کے حوالے دیکر قدغنیں لگانے اور فکر و فہم کے ارتقاء کی راہ کو تقلیدیت کے زنگ آلود تالوں سے اور فتووں کی زبان سے بند کرنے کی کوشش نہ فرمائیں۔ پرانے لوگوں کی سوچوں اور اعمال و افعال کے بارے میں ہمارے مالک کا فرمان ہمیں سب کو یاد رہنا چاہیئے :-

تِلکَ اُمَّۃٌ قد خَلَت لَھَا مَا کَسَبَت وَلَکُم مَا کَسَبتُم ۚ وَلَا تُسئَلُونَ عَمَّا کَانُوْ یَعمَلُون۔ 2/134,141

وہ پرانے لوگوں کی جماعتیں گذر چکی ہیں۔اپنے اعمال کے وہ ذمہ دار تھے۔تمہارے اعمال کے تم ذمہ دار ہو۔تم سے انکے اعمال کی باز پرس نہیں کی جائے گی۔

قرآن کا اعجاز تو محترم یہی ہے کہ وہ ہر دور کیلئے حسب ضرورت ہدایت مہیا کرتا ہے۔آپ نہیں تسلیم کرتے تو بیشک نہ کریں۔لیکن لوگوں کو اسلاف کی راہ پر چلانے کے جبر میں تو شریک نہ ہوں۔آپ قرآن حکیم کو ایک منجمد شاستر بنائے رکھنا چاہتے ہیں جو نہ مکمل ہے نہ آسان اور نہ مفصل اور نہ انسانیت کی ہدایت و رحمت کیلئے کافی ہے۔اور جسکے اتباع کیلئے غیر اللہ کی لکھی ہوئی کتابیں بھی شریک کرنی ضروری ہیں۔تو یہ نظریہ آپکو مبارک ہو۔لیکن محترم قرآن دشمنی اور خدا دشمنی کا خطاب آپکے نامِ نامی کے ساتھ لگ جانے کا ہر وقت احتمال رہیگا۔اور یہ خطاب اُن تمام خطابوں سے کہیں زیادہ بُرا ہوگا جو جناب دوسروں پر مستقلاً چسپاں کررہے ہیں۔وائے افسوس کہ

شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی　　　　رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی

اور

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک　　　　نہ زندگی نہ محبت، نہ معرفت نہ نگاہ

محترم اسکالر وہ ہے جو مالکِ کائنات کی کائناتی حکمت سے معنی و بیان کی جو بھی دولت پائے اسے بنی نوع انسان کی منفعت کی نیت سے،عاجزی اور اپنی عقل کی محدودیت کے بھرپور احساس کیساتھ،آگے بڑھادے۔تلخ نوائی سے نہیں بلکہ گلوں میں بانہیں ڈالنے اور سر جوڑ کر بیٹھنے سے افہام و تفہیم کا مشکل سفر طے ہوتا ہے۔دنیا میں عزت کرانے کا آج تک ایک ہی طریق و اسلوب دریافت ہوا ہے کہ عزت کرو۔اور فیصلوں سے فرار کیلئے تمام لغات ہی ملیامیٹ کر دینے والی اور فضول بسیار نویسی میں انتہائی قیمتی وقت اور توانائی ضائع کرنے والی قومیں تاریخ کے سیلِ بے پناہ میں جلد ہی معدوم ہو جاتی ہیں۔شعور و شائستگی سے وہ جاہ و جلال اور اوجِ کمال حاصل ہوتا ہے کہ جس سے ایوانہائے حکومت اور اُور نگہائے سلطنت لرزہ براندام ہو جائیں۔خدا کی کتاب تمام انسانیت کا مشترکہ قابل احترام سرمایہ ہے۔آیئے ہم سب اس سے مساوی طور پر فیضیاب ہوں اور اس کی رحمتوں اور برکتوں کے جام جرعہ جرعہ پیتے رہیں۔ہر کوئی بقدر اپنے ذوق اور اپنی طلب کے۔

آیئے خوش گفتاری،خوش گمانی،خوش اسلوبی،اور خوش اخلاقی کی وہ دولت لُٹائیں جسکے گنج ہائے گراں مایہ کبھی خالی نہیں ہوتے۔

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشمِ تر میں ہوتی ہے نظر پیدا

اورنگزیب یوسفزئی

مارچ 2008ء

صلوٰۃ موقت (تتمہ)

یہی میری نماز ہے یہی میرا وضو　　　میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو

ماہانہ بلاغ القرآن کے شمارہ مارچ 2008ء میں ایک محترم شخصیت بنام ڈاکٹر شاہد اقبال از ہراز ہری نے کراچی سے درج بالا عنوان پر قلم اٹھایا ہے۔ واضح ہو کہ ڈاکٹر صاحب متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ راقم کی نظر سے ان کی کتابیں "قرآن اور الربوا" اور "قرآن اور یہود و نصاریٰ سے دوستی کی ممانعت" گزری ہیں۔ ان تحریروں سے موصوف محترم کی قرآنی حکمت سے آگہی، تحقیق کے فروغ سے وابستگی اور روشن خیالی کا ثبوت ملتا ہے۔ جو نتائج ڈاکٹر صاحب موصوف نے ان دونوں تصنیفات میں قرآنی ھدایت کے حقیقی مفہوم کی رو سے اخذ فرمائے ہیں۔ ان کی درستگی سے انکار محال ہے۔ تاہم نماز کے معاملے میں موصوف مکمل طور پر اسلاف کے مسلک پر عمل پیرا اور انہی تراجم کی پیروی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جن کی آج کا علم و شعور تائید نہیں کرتا۔ تحت عنوان 3 عدد مضامین رقم کرنے کے بعد یہ احقر مزید نہ لکھنے کا عزم راسخ کر چکا تھا لیکن ڈاکٹر صاحب کے اس مجادلے میں داخل ہونے پر ایک اور آخری مضمون لکھنے کی اجازت چاہتا ہے اور ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں عرض گذارتا ہے کہ:

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے پھر بھی　　　شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

ڈاکٹر صاحب کا 17 صفحات پر مشتمل مضمون صرف 2 بنیادوں پر قائم ہے۔ اولاً نماز پڑھنے کی برکات و فیوض اور اسکے نہایت گہرے مقاصد یا نتائج جنکا مولائے کریم نے وعدہ فرمایا ہے۔ ثانیاً 1500 سالوں کا تسلسل و تواتر۔ یہ احقر ان دونوں بنیادوں پر تحقیقی مواد پر مشتمل ایک ایک پیراگراف مختصراً تحریر کرنے کی جسارت کرتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہے کہ جتنی بھی آیات کے تراجم ڈاکٹر صاحب نے نماز کو نمایاں کرنے کیلئے پیش کیے ہیں وہ سب عربی لغت کی رو سے غلط قرار پاتے ہیں۔ صلوٰۃ کے لفظ کی معانی اور اس لفظ کے روٹ (مادے) کی تحقیق اور اس کے تمام مشتقات کسی بھی قسم کی پرستش ' پوجا ' Worship یا prayer یعنی نماز کے معانی کا اسلوب یا قرینہ نہیں دیتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ صلوٰۃ کا معنی نماز لینے میں ڈاکٹر صاحب کا بنیادی تصور (Concept) علمی سے زیادہ تقلیدی ہے۔ ڈاکٹر صاحب صاحب علم ہیں۔ چشم بصیرت رکھتے ہیں۔ تمام مستند عربی لغات ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ احقر تو صرف اتنا خدمت عالی میں عرض کر سکتا ہے کہ تقلید خودی کی موت ہے اور:۔

خودی کی موت سے مشرق کی سرزمینوں میں　　　ہوا نہ کوئی خدائی کا رازداں پیدا

خودی کی موت سے ہوا پیر حرم مجبور　　　کہ بیچ کھائے مسلماں کا جامہ احرام

اور اس روش سے یہ احقر اپنی براءت اس طرح ظاہر کر سکتا ہے:۔

نہ میں عجمی نہ ہندی نہ عراقی نہ حجازی　　　کہ خودی سے میں نے سیکھی دو جہاں سے بے نیازی

مضمون کی دو بنیادیں:

اول۔ نماز پڑھنے کی مقرر کردہ نتائج۔ گہرے مقاصد۔ سیرت و کردار کی تعمیر۔ ضمیر کا جاگنا وغیرہ۔

اگر بقول ڈاکٹر صاحب یہی مروجہ نماز صلوٰۃ کا معانی تھا اور یہی پڑھی جاتی رہی ہے۔ تو پھر اسکے جو نتائج آپ فرما رہے ہیں کہ ہمارے آقا و مالک نے بتائے ہیں، یہ فرمائیں کہ وہ کب پیدا ہو کر منصہ شہود پر آئے۔ آیئے ڈاکٹر صاحب تھوڑی سی تاریخ دیکھ لیتے ہیں شاید کوئی کلیو Clue نماز کے نتائج کا کہیں سے مل جائے۔ کہیئے کہاں سے شروع کیا جائے۔

صرف لگ بھگ 35 ہجری میں ہی مدینہ النبی پر نمازیں پڑھنے والے حملہ آور ہوئے۔ خراساں تک پہنچ جانیوالی عسکری طاقت کی مالک حکومت اپنے دارلحکومت اور حکمران کا دفاع چند سو آدمیوں کے خلاف نہ کرسکی۔ حضرت عثمانؓ کا مقدس خون بہایا گیا۔ حضرت علیؓ کے خلاف نمازیں پڑھنے والوں نے جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان لڑیں اور ہزاروں لاکھوں نمازیوں نے ایک دوسرے کا خون بہایا۔ قرآنوں کو نیزوں میں پرو کر سروں سے اونچا کر نیکی بے حرمتی انہی نمازیوں نے کی۔ اسلامی انتہا پسندی اور دہشت گردی اسی قرون اولیٰ میں فتنہ خوارج کی شکل میں نمودار ہوئی۔ پھر حضرت علی کا مقدس خون بہایا گیا۔ صرف 40 ویں ہجری سال میں ہی نمازیں پڑھتے ہوئے امیر معاویہ کی ڈکٹیٹر شپ اور فرزند کو جانشین بنا دینے والی موروثی بادشاہت وجود میں آئی جو اموی خلافت کا روپ اختیار کر کے جبر و دہشت کی علامت بن گئی۔ نمازیں پڑھی جاتی رہیں۔ حضرات حسنؓ و حسینؓ کو شہید کر دیا گیا۔ محلات تعمیر ہوتے رہے۔ جاگیریں بٹتی رہیں۔ دولت کے انبار جمع ہوتے رہے۔ سینکڑوں بلکہ تین تین اور چار چار ہزار عورتیں حرموں میں تصرف کیلئے رکھی جانے لگیں۔ انسان گلیوں بازاروں میں غلاموں کی شکل میں بکتے رہے۔ نمازیں پڑھی جاتی رہیں۔ مخالفت کرنے والوں کی کرایہ کے علماء وفقہا سے فتوے لگوا کر کھالیں کھینچی جاتی رہیں۔ گردنیں کاٹی جاتی رہیں۔ لاکھوں مسلمانوں کا لہو مختلف مذہبی عقائد رکھنے کی پاداش میں ارزاں کیا جاتا رہا اور نمازیں پڑھی جاتی رہیں۔ فرقے وجود میں آتے رہے اور علماء فقہا آپس میں دست و گریبان رہے اور نمازیں پابندی سے پڑھتے رہے۔ انہی کے بارے میں غالباً مولانا روم نے فرمایا تھا کہ "دین حق را چار ملت ساختند۔ فتنہ در دین نبی انداختند"۔ یہ سب کیا تھا ڈاکٹر صاحب؟ یہ نمازیں ڈاکٹر صاحب آج بھی پڑھی جا رہی ہیں۔ تمام عالم عرب بدمعاشی، فحاشی، عیاشی اور دین فروشی کا اڈا بن چکا ہے۔ آپکے میرے اور دیگر شہروں میں انسانوں کے چیتھڑے اڑ رہے ہیں۔ عراق، افغانستان، کشمیر جہنم زار ہیں۔ فلسطین ایک قتل گاہ ہے۔ ایران مقتولوں کے لواحقین سے بھری ایک ماتم گاہ ہے۔ اور نمازیں پڑھی جا رہی ہیں۔ تلقین بھی جاری ہے۔ پھر آپ فرمائیں گے نماز دل سے یا صحیح طریقے سے نہیں پڑھی جا رہی۔ خدارا 1400 سال میں کبھی کہیں بھی کوئی صحیح طریقہ تھا جس سے صحیح نتائج حاصل کیئے گئے تو اس امت پر ترس کھاتے ہوئے نماز پڑھنے کا وہ صحیح طریقہ بتا دیجیئے۔ چلئے آپ ہی اُس صحیح طریقے پر نماز پڑھوا کر وہ نتائج دکھا دیجیئے جو آپ اس نماز کا ردعمل ثابت کرتے ہیں اور جو آجتک تو عالم اسلام میں کہیں مشاہدے میں نہیں آتے۔

کیوں نہ اس پہلو پر غور کیا جائے کہ یہ سب کچھ کہیں اس لئے تو نہیں ہو رہا کہ حقیقتاً صلوٰۃ کے حکم کی اصل روح ہم نے صدر اول ہی میں کہیں، رحلت رسول کے بعد کے سالوں میں، گنوا دی اور غیر قرآنی نماز کو تمام تر مقصود و منتہا بنا لیا۔ اور پھر اس کی پاداش میں آج تک جسد امت زخم زخم ہے۔

دوم۔ تاریخی تسلسل و تواتر۔ 1500 سال سے۔

نماز کے ضمن میں اگر واقعی ڈاکٹر صاحب رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ سے لیکر آج تک تواتر و تسلسل ثابت کرسکیں تو یقیناً ان کے موقف میں جان پڑ جائیگی۔ دیکھئے سب سے اہم دور حیات طیبہ سے شروع ہو کر پوری پہلی صدی ہجری پر محیط ہے اور ستم ظریفی یہ کہ یہ وہ صدی ہے جس کے دوران لکھی ہوئی کوئی بھی تحریر از قبیل سیرت، تفسیر، تاریخ ہمیں کہیں بھی میسر نہیں ہے۔ جبکہ یہی وہ اہم دور تھا جس کی تحریریں ہمیں یہ ثبوت مہیا کرسکتی تھیں کہ نماز کی مروج شکل ہمیں رسالتماب سے وراثتاً ملی یا نہیں۔ اس ایک صدی میں تحریری مواد کا مکمل غیاب در اصل ایک ہمہ گیر سازش طشت از بام کرتا نظر آتا ہے جسکا مذموم مقصد روح اسلامی کے انقلابی خط و خال بگاڑنا اور آنے والی نسلوں کو ذکر واذکار پر لگا کر گوشہ نشین کر دینا تھا۔ افسوس کہ تسلسل و تواتر کی بات اس تاریخی غیاب کے پس منظر میں مفروضہ بن کر رہ جاتی ہے۔ یعنی ابتدائی 100 سال کے دوران کسی بھی تحریری مواد کا عدم وجود تواتر و تسلسل کی کشتی کو ڈبو دینے کا حتمی جواز فراہم کر دیتا ہے۔ تاہم آیئے تحقیق پھر بھی کر لیتے ہیں کہ صدر اول کی تاریخ کس پیرائے میں ہم تک پہنچی ہے اور آیا اسمیں ثقاہت یا اعتبار کا کوئی جواز موجود ہے۔ تو غور فرمایئے کہ تاریخ پر سب سے پہلے قلم اٹھانے والے عرب یا مسلمان تھے ہی نہیں بلکہ اسلام کا قالب اختیار کیئے ہوئے دشمنان اسلام اور ان کے ایجنٹ تھے۔ پہلا مورخ، دوسری صدی میں محمد بن اسحاق بیسار تھا جو صالح بن کیسان (70ھ-140ھ) سے روایتیں نقل کرتا تھا جو چھوٹے درجے کا تابعی تھا۔ ائمہ جرح و تعدیل (ائمہ رجال) کے نزدیک مجوسی النسل تھا۔ یہودیوں سے وضعی روایات لیتا تھا۔ شاعروں سے اشعار لکھوا کر صحابہ کی جانب منسوب کرتا۔ شیعہ

تھا۔تقدیر کا منکر تھا۔امام مالک نے اسے کذاب کہا۔اسکی کتاب جو مغازی محمد بن اسحاق کہلاتی تھی موجود نہیں ہے۔اس سے زیاد البکائی نے نقل کی اور اس سے ابن ہشام نے نقل کر کے سیرت ابن ہشام کے نام سے پیش کی۔یہی کتاب سلمۃ الابرش (متوفی 191ھ) نے بھی محمد بن اسحاق سے نقل کی۔یہ رے کا قاضی تھا۔شیعہ تھا۔ظالم تھا۔اس سے حمید الرازی نے نقل کی اور اسی سے امام کہلانے والے طبری (224-310ھ) نے روایات لی ہیں۔یہ سب مجوسی الا صل اور سبائی ذہنیت رکھنے والے لوگ تھے۔دوسرا مورخ واقدی (130-207ھ) ہے۔محدثین کے نزدیک کذاب زمانہ ہے۔کٹر رافضی ہے۔ 30,000 غریب احادیث روایت کرتا ہے۔پھر مفسر و مورخ کلبی ہے جو تفسیر ابن عباس کا واضع ہے۔واقدی سے بھی زیادہ بدترین انسان ہے۔امام یحیٰ بن معین کو کہتے ہوئے سنا گیا کہ عراق میں ایک کتاب ایسی ہے جسے دفن کر دینا چاہیئے۔وہ تفسیر کلبی ہے یعنی تفسیر ابن عباس۔پھر ابی مخنف لوط بن یحیٰ (وفات 170ھ) ہے۔روئے زمین پر پہلا شخص جس نے کربلا کے واقعات ایجاد و اختراع کئے۔شہادت حسین سے لگ بھگ 100 سال بعد۔واحد راوی واقعہ قرآن نیزوں پر اٹھانا۔پھر سدی، اسماعیل بن موسیٰ الفزاری اور سری بن اسماعیل وغیرہ ہیں۔اسکے بعد آنے والے جتنے بھی مورخ ہیں، سنی ہوں یا سبائی، سب کا دارومدار انہی مذکورہ افراد کی کتابوں یا روایتوں پر موقوف ہے۔بلاذری کی کتابیں ان سب کی روایات کا مجموعہ ہیں۔اصحاب صحائے ستہ تیسری صدی میں آتے ہیں۔اور سب مجوسی النسل ہیں۔ان کے بعد امام التواریخ اور امام التفاسیر لکھنے والے امام طبری بھی دراصل محمد ابن جریر بن رستم ہیں یعنی طبرستان سے آئے ہوئے مجوسی النسل، جنھوں نے انہی بدنام زمانہ کتابوں اور رسوا کن روایات کو نقل کر کے مسلمانوں کا نام بدنام کیا اور دین و تاریخ دونوں کو بدل کر مسلمان کو کہیں سر اونچا کرنے کے قابل نہیں رہنے دیا۔ڈاکٹر صاحب پر تواتر اور تسلسل کی حقیقت آشکار کرنے کیلئے غالباً اتنا ہی کافی ہوگا۔یعنی:-

حقیقت خرافات میں کھوگئی   یہ امت روایات میں کھوگئی

نہایت مودبانہ عرض کرتا ہوں کہ لغات سے ابتدا کرنے کے عالمی طور پر تسلیم شدہ طریقہ تحقیق و تدبر کو جب ڈاکٹر صاحب نے لفظ صلوٰۃ کے ترجمے کے ضمن میں صرف نظر فرمایا تو گویا ہوا میں استدلال کا محل تعمیر کرنے کی سعی ءلا حاصل فرمائی اور اپنا قیمتی وقت ایک غیر موجود تواتر کی رو سے (قرآن سے نہیں) قائم شدہ باطل عقیدے کی توثیق و تطبیق میں گنوادیا۔اسی طرز فکر کی رو سے ڈاکٹر صاحب عبادات 'حج 'صوم وغیرہ قسم کی اصطلاحات کا وہی وضعی دقیانوسی مذہبی مطلب لیتے نظر آتے ہیں جو مروج ہے۔عبادت کا مادہ ع ب د ہے جسکا مطلب بندہ، تابع، خدمت گذار، اطاعت شعار، فرماں بردار وغیرہ ہے (تمام مستند عربی لغات)۔اسلئے عبادت کی اصطلاح اللہ کے احکام کی اطاعت کا واحد معنی دیتی ہے۔جبکہ موصوف اسے نماز 'وظائف' ذکر و اذکار و تسبیح کے غلط معنوں میں لیتے نظر آتے ہیں۔حج ہی کو لے لیجئے۔صفحہ 4 پر آیت 2/197 کا غلط ترجمہ ہے۔حج کا معنی خدا کے پیغام کا آخری حجت ہونا ہے۔صحیح لغوی ترجمہ کچھ اسطرح ہے:- "آخری حجت معلوم و معروف شرائط پر مبنی ہے۔پس جس نے ان شرائط کی رو سے اپنے آپ پر آخری حجت کا فرض عائد کیا تو پھر اس معاملے میں نہ بدگوئی و بدکلامی نہ ہی بدعملی اور نہ ہی لڑائی جھگڑے کی اجازت ہے۔جو کچھ بھلائی کے ارادے سے کیا جائیگا اللہ کو اس کا علم ہے۔"

مضمون مجبوراً طوالت کا شکار ہو ہی گیا ہے۔تو اب آیئے دو آیات کا ترجمہ (بحوالہ حقیقت صلوٰۃ از ڈاکٹر قمر زمان) کر لیتے ہیں تا کہ یہ آخری مرحلہ بھی سر ہو جائے۔اور اس جانب کا اسلوب و قرینہ ڈاکٹر صاحب پر واضح ہو جائے:-

"الذین ان مکنٰھم فی الا رض اقامو الصلوٰۃ و آتو الزکوٰۃ و امر و بالمعروف ونھو عن المنکر ولله عاقبة الامور"۔

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین مین تمکن عطا کریں تو یہ اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کرینگے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینگے اور تمام امور کا انجام اللہ کیلئے ہے" (سورۃ الحج آیت نمبر 41)

دیکھیئے اس آیت میں اقامت صلوٰۃ کو تمکن فی الارض یعنی اقتدار سے مشروط کیا گیا ہے۔صلوٰۃ وہ چیز ہے جسے قائم ہی اس وقت کیا جاسکتا ہے۔جب مومنین کو اقتدار حاصل ہو جاتا ہے۔رہ گئی نماز تو وہ اقتدار کے بغیر ہی پڑھی جاتی رہی ہے اور پڑھی جا رہی ہے۔صلوٰۃ اصلاً احکامات الٰہی ہیں جو غیر مسلم حکومت میں

قائم ہی نہیں کئے جاسکتے۔ آپ امریکہ برطانیہ وغیرہ میں احکامات الٰہی قائم نہیں کر سکتے البتہ آپکو وہاں اقتدار نہ ہونے کے باوجود نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ بلکہ اب تو غیر مسلم حکومتیں آپ کو مساجد کی تعمیر میں معاون بھی ہوتی ہیں۔

ایک اور آیت:-

"لکن الراسخون فی العلم منھم والمومنون یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک والمقیمین الصلوٰة والموتون الزکوٰة والمومنون باللہ والیوم الا آخر اولا ئک سنئو تیھم اجرا عظیما"

ترجمہ: لیکن اہل کتاب میں علم پر دسترس رکھنے والے اور مومنین اس پر ایمان رکھتے ہیں جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور جو تم سے پہلے نازل کیا گیا اور یہ لوگ اقامت صلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم یقیناً اجر عظیم عطا کرینگے۔ (النساء آیت نمبر 162)

اس آیت سے چند وضاحتیں سامنے آتی ہیں:-

(1) اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو "العلم" یعنی وحی الٰہی پر دسترس رکھتے ہیں۔

(2) یہ لوگ مومنوں کی طرح اہل ایمان بھی ہیں۔

(3) یہ لوگ مومنوں کی طرح صلوٰۃ کی اقامت اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرتے ہیں۔

(4) یہ لوگ اللہ اور آخرت پر یقین بھی رکھتے ہیں۔

اب سوال یہ پیش خدمت ہے کہ اہل کتاب میں سے وہ کون سے لوگ ہیں جو (آپ کے ترجمے کی رو سے) نماز پڑھ رہے ہیں۔ اہل کتاب میں ایسے کوئی لوگ نہیں۔ لیکن پھر بھی قرآن کا دعویٰ ہے کہ اہل کتاب صلوٰۃ کی اقامت کرتے ہیں۔ تو پھر دیکھتے ہیں کہ وہ کون سی صلوٰۃ ہے جو اہل کتاب اور مومنین ایک ہی طریقے سے ادا کرتے ہیں۔ جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو اہل کتاب ہماری نماز نہیں بلکہ اپنے اپنے الگ طریقوں سے خدا کی "عبادت" کرتے ہیں۔ وہ کون سی چیز ہے جس پر تمام تر اہل کتاب کے علماء اور مومنین یکساں طریق پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔ یہ یقیناً احکامات الٰہی ہیں جن کا علم اہل کتاب میں سے علم والوں کو تھا۔ کیونکہ وہ "العلم" یعنی وحی الٰہی پر دسترس رکھتے تھے۔ اس لئے اس پر قائم بھی رہتے تھے۔

میں ڈاکٹر صاحب کی خدمت عالی میں سفارش کرونگا کہ ڈاکٹر قمر زمان صاحب کی کتاب حقیقت صلوٰۃ اور عزیز اللہ بوھیو صاحب کی صلوٰۃ کے موضوع پر لکھی متعدد کتابوں کا اپنی لائبریری میں اضافہ ضرور فرمالیں۔ ان خالص قرآنی بنیادوں پر لکھی گئی تصانیف کا مطالعہ جناب کو موضوع زیر بحث پر نئے فکری جہانوں تک پرواز کی سہولت بہم پہنچائیگا اور امید واثق ہے کہ نتیجتاً جناب ہم فتویٰ یافتوں اور فتوی گزیدوں پر سے خوئے بد اور تساہل اور الفاظ کے پھندے استعمال کرنے کے بے بنیاد الزامات دور فرما دینگے۔

جو چند نکات مضمون زیر نظر سے مزید سامنے آتے ہیں وہ اسطرح ہیں:-

(1) انسان کو برائیوں سے روکنے کیلئے جتنے بھی بریک لگانے ممکن ہیں ان میں سب سے کارگر اور موثر نماز ہی ہے۔

(2) اس سے بڑا مانع کیا ہوگا کہ نماز کیلئے بلا کر بار بار اللہ کی یاد ذہن میں تازہ کی جائے۔

(3) نماز کی "ابتدا سے لیکر انتہا" تک (یہ صرف 2 سے 5 منٹ ہوتے ہیں۔ واہ کیا ابتدا اور کیا انتہا ہے!) مسلسل ایسے کام انجام دینے ہوتے ہیں جنکے بارے میں کوئی تیسرا جاننے والا نہیں ہوتا (میرے خدا! کیا بڑے بڑے کام بتائے جارہے ہیں؟؟؟ کھڑے ہو جانا، بیٹھ جانا اور بار بار الٹے ہو کر ماتھا زمین پر ٹیک دینا!)۔

(4) متعدد بار نماز ادا کرنے سے ضمیر کا کئی بار جاگنا۔ ذمہ داری کا احساس پیدا ہونا؟

اور بھی متعدد ایسی باتیں ہیں جو صرف خواہشات بھری سوچ یعنی Wishful thinking کے زمرے میں آتی ہیں۔ یہ سب باتیں پہلے ذیلی عنوان میں ہی مضمون کے شروع ہی میں بیاں کر دی گئی ہیں اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ زمینی حقائق کے منافی ہیں۔ کوئی ثبوت اس حقیقت کے خلاف فراہم نہیں کیا جاسکتا کہ تمام معاشی، معاشرتی اور سیاسی برائیاں اس مروجہ نماز کے تواتر کے باوجود امت مسلمہ میں موجود رہی ہیں بلکہ دراصل یہ برائیاں اسکے تواتر ہی کی وجہ سے فروغ ودوام حاصل کرتی رہی ہیں۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ جس پلیٹ فارم سے ڈاکٹر صاحب یہ تحریر شائع کروار ہے ہیں وہ خود اپنے آپ کو ایک علیحدہ فرقہ یعنی فرقہ اہل قرآن پکارتے ہیں اور صلوٰۃ موقت کی اختراع کردہ اصطلاح کے تحت صرف 3 نمازوں کو اور ہر نماز میں 2 سجدوں کو درست مانتے ہیں۔ ان صاحبان علم کے مئی اور جون 2007 کے شماروں سے کچھ اقتباسات ڈاکٹر صاحب کے پیش خدمت ہیں:۔

(1) موجود مروجہ نماز یعنی روایتی صلوٰۃ گناہوں کا لائسنس ہے۔

(2) جھکنا ضروری ہے لیکن صرف تین بار روزانہ۔ اگر پانچ بار ہو گیا تو پھر وہ افراط کی راہ پر چلنا ہو جائیگا۔

(3) مسجدوں کا خوگر بننے سے اور صلوٰتوں (بمعنی نمازوں) سے اللہ کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ یعنی وہ پرستش اور فرمانبرداری سے بے نیاز ہے۔

(4) صلوٰۃ موقت اپنی تمامتر اہمیت وافادیت کے باوجود نہ ہی صلوٰۃ جامعہ کا بدل ہے اور نہ ہی اسکی پابندی امت مسلمہ کو دوبارہ اس کے حقیقی مقام ومنصب پر فائز کرسکتی ہے۔ یہ تو اصل صلوٰۃ کی تمہید ہے۔

یعنی " کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی" والی صورت حال ہے۔ اب فرمائیے ڈاکٹر صاحب کیا فیصلہ ہے جناب کا مروجہ نماز کے بارے میں۔ کہیں نمازوں کی بنیاد پر کھڑی کی ہوئی آخرت کے توشے کی عظیم عمارت کے دھڑام سے نیچے آگرنے کا خوف قبول حق کی راہ میں رکاوٹ تو نہیں بن جائیگا۔

جناب محترم پرویز صاحب کے کچھ اقتباسات ضرور پیش فرمائے۔ وہ ہمارے اساتذہ میں شامل اور محترم القام شخصیت رکھتے تھے۔ یقین کریں گے کہ انہوں نے کبھی بھی کسی انسان کو اپنے خیالات ونظریات کی تقلید کا مکلّف قرار نہیں دیا۔ تقلید کو شرک کا ہمسر ٹھہرایا اور فہم قرآنی کے اپنے دیے ہوئے پلیٹ فارم سے آگے بڑھ جانے کی تلقین فرمائی۔ خدا ان کی روح کو آخرت میں بلندترین درجات عطا فرمائے۔ اور جو حضرات انکی اندھی تقلید کر کے انکی روح کو اذیت پہنچا رہے ہیں ان کو ہدایت دے۔

ویسے بھی قرآنی حکمت کی تفہیم کے ضمن میں "غذا کھانے' تے کر دینے' ضعف معدہ یا ہائی بلڈ پریشر یا دوائیاں کھانے، نمک کی چٹکی منہ میں رکھنے" وغیرہ (صفحہ 6) قسم کی مثالیں دینا ایک انتہائی اعلیٰ مقام رکھنے والے کو انتہائی حقیر اشیاء سے مماثلت دے کر بے ادبی کا ارتکاب کرنے کے مترادف ہے۔ یہ کمترین اس سے قبل بھی اپنا احتجاج اس رویے کے خلاف محترم استاد قاضی کفایت اللہ کو ریکارڈ کروا چکا ہے جنہوں نے صلوٰۃ کے معانی کے ضمن میں از قسم ڈوئی، ڈولی، پنجالی اور ہل وغیرہ حقیر ومنجمد اشیاء کی مثالیں دی تھیں۔ محترمی متقی صاحب نے بھی غالباً فروری 2008 کے شمارے میں 3 نمازوں کو چائے کے کپ میں 3 چمچے چینی ڈالنے سے اور 5 نمازوں کو 5 چمچے چینی ڈالنے سے مماثل کیا ہے۔ ہم سب یہ حقیقت اپنے اذہان وقلوب میں راسخ کر لینے کے مکلّف ہیں کہ قرآن حکیم اُس خدا کا کلام ہے جو اس کائنات کی مقتدرترین ہستی ہے اور عالم خلق وامر دونوں کی مالک ہے۔ حد ادب مانع ہے کہ ہم اُس کے اعلیٰ ترین درجہ رکھنے والے کلام کو ایسی حقیر تماثیل سے داغدار کریں۔ قرآن انسانیت کا قابل صد احترام سرمایہ ہے اسکے تفہیم وتدریس میں علم وحکمت کے گراں قدر موتی لٹانے کا اہتمام فرمائیں نہ کہ اس کو عامیانہ اور پست سطح پر لانے کے جرم کا ارتکاب کریں۔ بنی نوع انسان کی منفعت اس کلام عظیم کی درست فہم میں ہے جو اپنی اصل میں گہری اور بلند پایہ ہے۔ حقیر اشیاء کی مثالوں سے اسے کما حقہ بیان کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ ایسی مثالیں غیر ضروری بھی ہیں کیونکہ تاویلات کے زمرے میں آتی ہیں۔ قرآن کی عربی مبین تاویلات کی محتاج نہیں ان سے بہت بلند' دوٹوک' واضح اور جامعیت کا مرقع ہوتے ہوئے بھی مختصر ہے۔

قرآن کا مجموعی پیغام ایک ایسا شاندار نظام حکومت قائم کرنا ہے جو خدا کے احکام کی ماتحتی میں انسانیت کے تمام دکھوں کا علاج کر دے اور ' **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** ' کی جنتی کیفیت انسانوں کی زندگیوں میں پیدا کر دے۔ یہ احکام انفرادی عبادتوں یا ریاضتوں کے تجربات کیلئے قطعاً نہیں ہیں کیونکہ جمع کے صیغے کیساتھ ہیت اجتماعی سے مخاطب ہوتے ہیں۔ یہ دراصل اُس مقتدرہ کیلئے ہیں جو قوت تنفید رکھتی ہے اور اس لئے مسائل کے حل کی اہل ہوتی ہے۔ جبکہ مروجہ نماز تو ہمیں صرف اپنی اپنی انفرادی نجات کا مفروضہ لالچ دیتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب ہمیں رفتگاں کے انداز زیست سے کیا غرض۔ ہمارا سامنا تو عہد حاضر کی خونچکاں برہنہ حقیقتوں سے ہے۔ تسلسل و تواتر کی پیروی اندھی تقلید سے عبارت ہوتی ہے۔ اندھی تقلید نابیناؤں اور محکوموں کا خاصہ ہے۔ محکوموں کو قبر بھی قبول نہیں کرتی۔ یوں احتجاج کرتی ہے:۔

آہ ظالم تو جہاں میں بندہ محکوم تھا — میں نہ سمجھی تھی کہ ہے کیوں خاک میری سوزناک
تیری میت سے میری تاریکیاں تاریک تر — تیری میت سے زمین کا پردہ ناموس چاک
الحذر! محکوم کی میت سے سو بار الحذر! — اے سرافیل، اے خدائے کائنات، اے جان پاک

ہمیں اپنی زندگیاں اپنے دور کے تقاضوں کے جبر کے تحت گذارنی ہیں۔ خدا کی ہدایت روز ازل کیطرح آج بھی زندہ جاوید ہے اور ہمارے تمام دکھوں کا علاج فراہم کرتی ہے۔ صرف ہمارے افکار کا روش کہن سے ہٹ جانا ازبس ضروری ہے۔ آج علم و شعور کا ارتقاء اسبات کا تقاضہ کرتا ہے کہ دشمنان اسلام کے پرانے وضعی تراجم ترک کر کے ازسرنو خدا کے کلام میں تحقیق و تفقہ و تدبر کیا جائے۔ پرانے لوگوں کی زندگیاں ہرگز قابل رشک نہ تھیں۔ کیونکہ کمزور ہمیشہ ہی طاقتوروں کے ہاتھوں کچلے جاتے رہے۔ اور یہ حقیقت اس ناچیز نے تاریخ کی صرف ایک لمحاتی جھلک دکھلا کر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لوگ اپنے اعمال کیلئے جواب دہ تھے۔ ہمیں اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ ہم یہ نہ کہہ سکیں گے کہ وہ نماز پڑھتے تھے تو ہم نے بھی پڑھی۔ انسانوں کے دکھوں کا مداوا پھر کیا خدا نے زمین پر اتر کر خود کرنا تھا۔ آیئے ہم تمام تقلیدوں 'تواتر' اجماع اور روایات کے اثرات سے آزاد ہو کر کلام الٰہی سے راست اکتساب کریں اور اس کے فیض عظیم سے رحمتوں اور برکتوں کے خزانے پائیں۔ آیئے مل جل کر غیر انسانی نظام زندگی کے طویل تسلط کا مقابلہ کریں اور قرآنی انقلاب کا راستہ ہموار کریں کیونکہ:۔

تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام — دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

اورنگزیب یوسفزئی

جون 2008

صلوٰۃ مئوقت (ڈاکٹر ازہری کے جواب میں)

کس قیامت کے یہ نامے میرے نام۔۔۔۔۔۔۔

اس احقر کا مضمون (صلوٰۃ موقت تتمہ) ڈاکٹر ازہر ازہری کو نہ جانے کیوں اس قدر مشتعل کرنے کا باعث ہوا کہ جناب محترم ذاتیات پر اتر آئے۔ چلئے اس حقیر پر تقصیر کو تو چاہے جس قدر بھی ڈانٹ پھٹکار لیتے، شکایت نہ کرتا۔ لیکن میرے دو انتہائی باعزت و توقیر اساتذہ پر اتنے عامیانہ اور رکیک حملے فرمائے کہ اپنی قدر و منزلت بھی جو اس خاکسار کی نظروں میں اب تک بلند تھی، گنوائی۔ خدایا آخر ایسا کیا اس احقر نے لکھ دیا؟ جناب محترم کو ڈاکٹر صاحب، محترم، صاحب علم، صاحب چشم بصیرت وغیرہ کا مرتبہ دیا۔ تصنیفات کی تعریف کی۔ جواباً زبان طعن کی بدترین درازی کا مشاہدہ کیا۔ داناؤں سے سنا تھا کہ کچھ لوگوں کو تعریف و عزت موافق مزاج نہیں ہوتی۔ ان کو بگاڑتی ہے۔ ثبوت بھی مل گیا۔ جناب عالی کیا ایک اجتماعی دینی مسئلے/معاملے میں اختلاف رائے اتنا بڑا جرم ہے؟ کیا جناب کے ضمیر میں اتنی رمق زندگی بھی باقی نہ رہی ہے کہ منکرین صلوٰۃ کا فتویٰ لگاتے وقت یہ تو سوچ سکتے کہ ہم تو صلوٰۃ پر پورا ایمان رکھتے ہیں جس کے برعکس آپ ہماری تحریروں سے ہرگز ثابت نہیں کر پائیں گے۔ اور یہ تو آپ خود ہیں جو صلوٰۃ کے منکر اور اس کے برعکس نماز پر ایمان رکھنے والوں میں ہیں۔ ہمیں خوشی سے منکرین نماز کہئے، جہنمی کہئے، خواہ کچھ بھی کہئے۔ لیکن منکرین صلوٰۃ آپ اور آپکی قبیل کے نمازی لوگ ہیں کیونکہ صلوٰۃ کے اصل معنی کا انکار ہی تو آپ کو نماز کی طرف لے گیا ہے۔ ایک اور خاص بات جو ہم نے آپ نمازیوں کی مشترکہ صفت کے طور پر نوٹ کی کہ لغات کا لفظ سامنے آتے ہی ایک خاص زلزلے کی کیفیت آپکو گھیر لیتی ہے۔ دماغ ماؤف کر دیتی ہے اور قلم سے اول فول کا ایک نامعقول طوفان پھوٹ نکلتا ہے۔ اس کا کیا خاص سبب ہے ڈاکٹر صاحب اور اس بیماری کا کیا نام؟ چلئے غصہ تھوک دیجئے اور اس احقر کی طرف سے معذرت قبول فرمایئے۔ پھر بھی یہ واضح رہے کہ ہم نے صرف آپکے بے سروپا فرمودات پر تنقید کی تھی۔ ذات کو نشانہ ہرگز نہ بنایا تھا۔

یہ بات بھی واضح کرنے کی یہاں ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ناچیز اس جواب در جواب کا قائل ہرگز نہیں ہے کیونکہ اس سلسلے سے تلخیاں پھوٹ نکلتی ہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر صاحب کے جوابی مضمون سے ثابت ہوا۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ ایک شدید معنوی اختلاف رکھنے والے موضوع پر جب آپ عامۃ الناس کیلیئے ایک عدد مضمون میڈیا پر اشاعت کروا کر اسے پبلک میں پہنچا دیتے ہیں، تو پھر پبلک کی طرف سے اس پر تنقید برداشت کرنے کا حوصلہ بھی آپ میں ہونا چاہیئے۔ آپ کا نقطہ نظر پبلک تک پہنچ گیا۔ پبلک میں سے کچھ کا نقطہ نظر جواباً آپ کو پہنچ گیا۔ یہاں معاملہ ختم ہو جانا چاہیئے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب تو ہاتھ دھو کر اختلافی نقطہ نظر رکھنے والوں کے پیچھے پڑ گئے۔ اگر ہمارے کچھ ریمارکس ناگوار خاطر ہوئے تو ہم نے بھی تو "خوئے بد" "الفاظ کے پھندے" "تساہل" وغیرہ جیسے الفاظ جناب کی جانب سے خوشی سے برداشت کئے۔ آپ کو جواباً تحریر بھیجنا تو ہمارا حق تھا کہ آپ نے اختلافی موضوع پر مضمون چھپوایا تھا۔ رسالے کے دفتر کے ذریعے صرف اس لئے نہ بھیجا کہ وہاں کوئی نظم وضبط نہ ہونے کے باعث آپ تک کبھی نہ پہنچتا۔ لیکن جناب کا یہ استحقاق ہرگز نہ بنتا تھا کہ اس احقر (قاری) کو براہ راست جواب در جواب بھیجنے کی آزادی حاصل کرتے اور وہ بھی ناشائستہ نوعیت کی۔ قاعدہ یہ تھا کہ یا سکوت اختیار فرماتے یا جواب در جواب کو پھر چھپوانے کے بکھیڑے میں پڑتے۔ اور پھر اس اشاعت پر دوسری بار اختلافی تحریریں وصول فرماتے۔ یہ سب تضیع اوقات ہی تو ہے لیکن نجانے کیوں معلوم ہوتا ہے جناب کے پاس ضائع کرنے کیلیئے بہت وقت ہے۔ اور "بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت" والا معاملہ ہے۔ یہ نہ کہہ دیجئے گا کہ اقبال کا یہ مصرع یہاں بھی "بے وقت کی راگنی" ہے۔ اس مرتبہ جناب کے ذوق اور استعداد کی سطح کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت آسان سی بات کہی گئی ہے۔

اب اجازت ہو تو نکتہ بہ نکتہ یہ عاجز بھی آپ کے جواب پر تبصرہ کردے۔ اگرچہ جبراً واکراہاً :-

1۔ روشن خیالی کے "مروجہ" اور غیر مروجہ مفہوم کا نکتہ پیدا کرنا جھگڑالو ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے۔ اس خاکسار نے تو صرف ڈاکٹر صاحب کو خراج تحسین پیش کرنے کی کوشش کی تھی جو گناہ بن کر گلے پڑ گئی۔ البتہ خود کو " کشادہ ذہن" قرار دینا مذکورہ مضمون کے متن اور اسلوب کے ضمن میں صرف اجتماع ضدین یا خودستائشی کے زمرے میں آتا ہے۔

2۔ "مجادلہ جنگ وجدل اور لڑائی جھگڑے کو کہتے ہیں"۔ ڈاکٹر صاحب تو ضرور جنگ وجدل ہی کو کہتے ہونگے کیونکہ یہ 'تاویل' جناب کی افتاد طبع سے مطابقت رکھتی نظر آتی ہے۔ سب سے بڑی سند ہمارے نزدیک اللہ کا کلام ہے۔ جہاں مجادلہ 'بحث ومباحثہ' ہی کو کہا گیا ہے۔ جنگ و جدل کو نہیں۔ ملاحظہ فرمائیے سورۃ مجادلہ کی آیت نمبر 1 اور اپنی علمیت کے زعم پر اپنا سر پیٹئے: **قد سمع الله قول اللتى تجادلك فى زوجها و تشتكى الى الله**۔ جناب من یہاں جس کا قول اللہ تعالیٰ نے سماعت فرمایا وہ عورت رسول اللہ کے ساتھ مجادلہ (بمعنی بحث ومباحثہ) ہی کر رہی ہے۔ قول یعنی کلام ہی کا ذکر ہے۔ تلوار نکالے جنگ وجدل نہیں کر رہی۔ یہ ہے " آج کا علم وشعور"۔ اب آپ لفاظی کا استعمال کر کے تاویلیں نکالنی شروع کر دینگے۔ یہی آپ نمازیوں کا انداز ہے قرآن کے محکمات کے معاملے میں۔ قرآنی معانی بازیچۂ اطفال کی حیثیت رکھتے ہیں آپ لوگوں کے ہاں۔

3۔ آج کا علم وشعور جن کے قریب اب تک نہیں پہنچ سکا ہے۔ انہیں اسکی "نشاندہی" کرا کر وقت کا ضیاع کیوں کیا جائے۔ جن کے گلے میں محکومی کا قلادہ پڑا ہو، ان کا علم وشعور سے کیا علاقہ؟ وہ تو مقلدین کی صف میں کھڑے ہیں۔ اندھے کی لکڑی پکڑ کر اسکے پیچھے چلنے کے انتظار میں۔ "ومن کان فی ھذہ الاعمی وھو فی الآخرۃ اعمی " والا معاملہ ہے۔ 'محکوم کی میت' والی نظم جناب کو یاد ہی ہوگی۔ اگرچہ بہت ناگوار خاطر گذری۔

4۔ یہاں پھر لفاظی سے بحث جیتنے کی کوشش۔ نماز کے حق میں جناب کے ہوائی دلائل وہ ہی نوعیت کے تو تھے۔ ایک غیر موجود تو اتر دوسرا نماز کے مفروضہ فضائل۔ کیا اس ناچیز نے غلط کہہ دیا تھا جو آپ دو کی بجائے "ایک بنیاد" فرما کر ہمارا موقف غلط ثابت کرنے کی لاحاصل کوشش کر رہے ہیں؟ پھر ارشاد ہے کہ

"صلوٰۃ کے مختلف مطالب اور معانی میں سے اس مفہوم کا انتخاب جسے نماز کہا جاتا ہے۔ یہی صلوٰۃ موقت ہے"۔ قرآنی صلوٰۃ کا معانی نماز کہاں سے آ گیا جناب ہوا میں سے؟ آپ کے تمام بزرگان سلف تو نماز کو خارج از قرآن ماخذ سے نکلا ہوا مانتے آئے ہیں۔ کیا معراج کا واقعہ جناب کے "RAM" سے "ڈیلیٹ" ہو گیا جہاں سے یہ نماز لاگو ہوئی؟ خدا جانے آج کے جدید" کشادہ ذہن" مولویوں نے نماز کے ضمن میں قرآن کو ملوث کرنے کی سعئی مذموم کیوں شروع کر دی۔ یہ آج کے دور کی نئی بدعت ٹھہری۔ اسی قسم کی ایک اور بدعت یہ بھی شروع کر دی گئی ہے کہ "احادیث کے مجموعے آنحضرت نے خود اپنی زندگی میں اپنی نگرانی میں مرتب کروا دیئے تھے"۔ صلوٰۃ موقت کی اختراع کا مفہوم بھی ایکبار 'اس کے صحیح معانی میں' اچھی طرح سمجھ لیں۔ لغات کے مسترد کرنے کی دھاندلی کوئی نہ مانے گا۔ نماز کو نماز ہی رہنے دیں گے تو بہتر ہوگا۔

<u>(4/103) ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتاً</u>

یہ جملہ اسمیہ ہے۔ جسکا مبتدا الصلوٰۃ ہے اور کتاب اس کی خبر ہے۔ ان کلمہ حصر ہے۔ ان کے اثر سے الصلوٰۃ نصبی حالت میں ہے۔ کانت فعل ناقص ہے۔ علی المومنین متعلقات خبر ہے۔ کتاباً کانت کے زیر اثر نصبی حالت میں ہے۔ موقوتاً نہ صرف کتاب کی صفت ہے اور مرکب توصیفی کا حصہ ہے بلکہ اسم المفعول بھی ہے۔ یعنی مرکب توصیفی " کتاب موقوت" کانت کے زیر اثر کتاباً موقوتاً ہو کر الصلوٰۃ کی خبر ہے۔ یعنی اصل جملہ "الصلوٰۃ کتاب" ہے۔ جس کی معنی ہیں "الصلوٰۃ" ایک کتاب ہے۔ آیئے اب مرکب توصیفی کتاب موقوت جو نصبی حالت میں کتاباً موقوتاً ہے اس پر بھی غور کر لیں۔ کتاب بمعنی کتاب یا قانون معروف ہے اور قرآن نے بھی اللہ کے دیئے ہوئے احکامات اور وحی الہیٰ کو کتاب ہی کہا ہے۔ یہ مسئلہ

"موقوتاً" کا جو کتاب کی صفت ہے تو علامہ پرویز کی لغات القرآن کے صفحہ نمبر 1729 کو پیش کئے دیتے ہیں۔"ابن فارس نے لکھا ہے کہ "الموقوت" حد مقرر کردہ چیز کو کہتے ہیں یعنی جس کی حد مقرر ہو"۔ بات بالکل واضح ہوگئی کہ الصلوٰۃ ایک ایسی کتاب ہے جو خود بخود حد مقرر کردہ ہے۔آیئے اس لفظ کا مزید مطالعہ کرتے ہیں کہ یہ حدود مقرر کردہ کے کیا معنی ہیں؟ لغات القرآن کے حوالے سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ وقت اور حد ایک ہی چیز ہیں۔وقت کا اسم المفعول اگر موقوت ہے تو حد کا اسم المفعول محدود ہے۔اب سادہ الفاظ میں یہ جان لیجئے کہ الصلوٰۃ ایک ایسی کتاب ہے جس کی خود اپنی حدود مقرر ہیں۔ یہ تعلیمات خود اپنی لئے حدود مقرر کرتی ہیں اور اسکے ذریعے جو بھی نظم قائم ہوگا وہ اپنی حدود سب سے پہلے متعین کریگا۔جسکی وجہ سے انسانیت کے حدود متعین کئے جائینگے۔(حقیقت صلوٰۃ از ڈاکٹر قمر زمان)۔کیوں جناب ڈاکٹر صاحب کچھ مزہ آیا تفہیم کے اسلوب ودلائل کا۔نماز موقت کے جناب کے غبارے میں سے ہوا نکل گئی یا ابھی باقی ہے؟ لیکن عربی گرامر کے قواعد کا لغات ہی کو مسترد کر دینے کی دھاندلیاں کرنے والوں سے کیا علاقہ؟ جو آج کے علم وشعور کی تلاش میں ہیں اور اسکی نشاندہی مانگتے ہیں،ان کا علم وشعور سے کیا تعلق؟ بے شک لعن طعن فرمایئے لغات پر، گرامر اور صرف ونحو کے قواعد پر، علامہ پرویز، ڈاکٹر قمر زمان اور ابن فارس پر۔ کہ یہی اسلوب نگارش جناب کا تخصص ثابت ہوتا ہے۔لغات سے نابلد ہونے کا نقصان دیکھا جناب نے۔عربی کے "موقوت" یعنی <u>حدود مقرر کردہ</u> کو اردو میں مستعمل 'وقت' سے ماخوذ کرنے کی نادانی نے جناب کو گمراہی کے کس درجہ کو پہنچا دیا۔

5۔ یہاں جناب نے اردو زبان کے استاد کا کردار ادا کرنے کی کوشش فرمائی وہ بھی پانچویں یا چھٹی جماعت کے استاد کا کردار۔ چلئے ہمارے یادداشت از سر نو تازہ ہوگئی۔خوش ہو جایئے۔ جناب اس عاجز نے تو دونوں الفاظ (تسلسل وتواتر) اتمام حجت ہی کیلئے استعمال کئے تھے کہ مقصد اظہار کی دونوں زاویوں سے تکمیل ہو جائے۔لیکن جھگڑے کی سرشت کا کیا کیا جائے کہ پھر بھی فوقیت جتلانے کیلئے نکتہ آفرینی سے شوق فرمانے کی ضرورت محسوس کی گئی۔

پھر فرمایا "اسبات کا کوئی کوئی معتبر اور قابل قبول ثبوت موجود نہیں جسکی بنیاد پر یہ کہا جاسکے کہ دور رسالت سے آج تک دنیا میں کبھی بھی اور کسی بھی مقام پر نماز کی ادائیگی اجتماعی طور پر رک گئی ہو۔وغیرہ۔۔۔۔۔" ہماری عرض بھی تو یہی ہے کہ حیات رسول سے سوسوا سو سال بعد تک کے دورانیے میں لکھی گئی کوئی تحریر ثبوت کے طور پر لایئے جو کہے کہ نماز رسول کی تقلید میں آئی اور تواتر سے اسی مدت مذکورہ کے دوران پڑھی گئی۔جن تاریخوں سے جناب تواتر کیلئے مدد لے رہے ہیں وہ اس دور کے بہت بعد میں لکھی گئی ہیں اور وثاقت کے درجے میں تسلیم نہیں کی گئیں۔ائمہ رجال نے ان مورخین / مفسرین کو ثقہ یا مستند تسلیم نہیں کیا۔اس مذکورہ دور کا کوئی تحریری ثبوت ان لکھنے والوں کے پاس نہیں تھا۔صرف زبانی کلامی 'سنی سنائی سے لکھا گیا۔ یہ لکھنے والے وضاع اور دشمنان اسلام تھے۔انہی جیسے دیگر دانشوران کے مشوروں پر خلفائے بنوامیہ یا بنوعباس میں سے کسی حضرت نے انہی ایڈوائزرز کے آبائی (مانوی) مذہب میں پہلے سے موجود یہ ہماری مروجہ نماز عربی کلمات سے آراستہ کر کے خالی ہو جانے والی مساجد میں جاری کروا دی۔وہی تحریری غیاب ہمیں یہ حتمی علم نہیں ہونے دیتا کہ کس خاص سال میں کس خاص خلیفہ وقت کے تحت یہ نفاذ بروئے کار لایا گیا۔البتہ کچھ مزید وقت گذرنے پر ایسا ثبوت دستیاب ہو جانا ممکن ہے۔مساجد خالی اس لئے ہوئیں کہ رسول اللہ اور خلفائے راشدین مسجدوں کو حکومتی ہیڈ کوارٹر یا پبلک سیکرٹریٹ کے طور پر اور مساجد کے لغوی معانی 'اطاعت گاہوں کے طور پر استعمال کرتے رہے۔امویوں کے زمانے سے حکومتیں مساجد سے محلات میں منتقل ہوگئیں۔ رسول اللہ کی تعمیر کرائی مسجد کا موجود ہونا اسبات پر دلالت کیسے کرتا ہے کہ وہاں غیر قرآنی عمل پرستش کی جسمانی حرکات کی مشق کرائی جاتی تھی؟ یہ بھی فرمایا کہ "رسمی عبادات اسی اطاعت کا علامتی اظہار ہے"۔ چلئے یہاں ڈاکٹر صاحب علامہ پرویز سے بالکل متفق ہوگئے۔کوئی تو آسانی نظر آئی۔لیکن یہاں یہ احقر رسمی عبادات کا 'ایک عظیم الشان منشور کے علامتی اظہار' ہونے کی تھیوری سے متفق نہیں ہے۔ڈاکٹر صاحب سے اور اس ضمن میں استاد محترم علامہ پرویز علیہ الرحمہ سے بھی اختلاف ہے۔اختلاف رائے انسانی طبع سے نکلتا ہے۔

Innate ہوتا ہے۔ برداشت کر لینا چاہیئے۔آگے جیسے جناب کی مرضی۔

6۔ جب کوئی ٹھوس علمی وعقلی دلیل میسر نہ آئے اور صلوٰۃ کو زبردستی نماز ثابت کرنا ہی ہو تو مخاطب کے الفاظ پر گرفت کرنے کا آسان طریقہ اختیار کر لیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے جوابی مضمون میں تمامتر اسی اسلوب سے کام لیا گیا ہے۔ معافی چاہوں گا اگر برا لگا ہو۔ مگر حقیقت یہی ہے۔ جب (29/45) کا نتیجہ بتایا گیا کہ الصلوٰۃ کے منشور پر عمل کرنے (یا نماز) سے فحاشی اور برے کاموں کی نہی ہو جاتی ہے تو کیا یہ کہنا کہ یہ اللہ کا وعدہ بھی ہے اس ترجمے کے مفہوم سے ہمیں ہٹا کر کہیں اور لے جاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بات وہیں کی وہیں رہتی ہے۔ تو پھر وعدہ کا لفظ استعمال کرنے پر فضول نکتہ چینی محض مخالفت برائے مخالفت ہی ہے اور لفاظی سے ایک ہوائی موقف کو مضبوط کرنے کی سعی لاحاصل ہے۔

جناب عالی نماز کے وہ نتائج اور سیرت و کردار، ضمیر کا جاگنا وغیرہ جنکا دعویٰ آپ کے مضمون میں کیا گیا ہے۔ انہیں ثابت کرنے کا بار جناب ہی کے کاندھوں پر آئیگا۔ تعجب ہے کہ جناب الٹا ہم سے مطالبہ فرماتے ہیں کہ عزیز اللہ اور ڈاکٹر قمر زمان صاحبان کے علاقوں میں نظام صلوٰۃ کے نتائج کا آپ کو مشاہدہ کروائیں۔ کتنی چالاکی ہے کہ جو نماز پڑھی جارہی ہے۔ بقول آپ کے 1500 سال سے۔ اسکے نتائج تو دکھانے سے گریزاں ہیں کیونکہ وہ جناب کے فرمودات کے بالکل برعکس ہیں۔ اور جو عمل آپ کوڑے دان میں پھینک چکے ہیں (اقامت صلوٰۃ کو نماز بنا کر) اسکے نتائج کا ہم سے مطالبہ فرما رہے ہیں۔ ایں چہ بوالعجبی است؟ افسوس آج کے علم وشعور سے جناب کتنی دوری پر ہیں۔

7۔ جناب کو جناب ہی کی مسلمہ تاریخوں کی تھوڑی سی سیر کرائی گئی۔ یہ دکھانے کیلئے کہ ان کی رو سے اگر واقعی نماز پڑھی جارہی تھی۔ تواتر سے۔ تو اسکے آپ کے فرمودہ نتائج کہاں غائب رہ گئے۔ جناب کو حقیقت کا سامنا اتنا ناگوار خاطر گذرا کہ Taunting کا اسلوب اختیار کیا۔ یہ فرمادینے کی ہمت نہ پڑی کہ اورنگزیب نے جتنے واقعات کا خلاصہ لکھا ہے وہ سب جعلی اور من گھڑت ہیں۔ اور کوئی بھی علمی یا قرآنی دلیل پیش نہ کر سکے ان کے ابطال کیلئے۔ صرف تنگ نظر مولویوں کی روش کے مصداق فتوی صادر فرما دیا منکرین صلوٰۃ کا۔ وہ بھی دو انتہائی قابل قدر ہستیوں کے خلاف جن کی جناب قدموں کی خاک کے برابر بھی رتبہ نہیں رکھتے اور جو آپ کے نہ لینے میں شامل ہیں نہ دینے میں۔ پوچھ سکتا ہوں جناب محترم کی کون سی دکھتی رگ پر ان صاحبان کا دست مبارک قیام فرما ہے۔ میرا موقف پوری صدی کے تحریری غیاب سے متعلق جو قبل ازیں تھا وہی آج بھی ہے۔ آپ اس موقف کے خلاف کچھ بھی ثابت نہ کر پائے۔ نہ ہی کوئی علمی کوشش کر سکے۔ کر سکتے ہی نہیں تھے کیونکہ یہ غیاب زمینی حقائق کی طرح اٹل ہے۔ اور جناب اکیلے ہی کسی "خوئے بد" کے سبب اس کو ماننے سے انکاری ہیں۔ استدلال آپ اس صدی کے واقعات کے بیان کا ان تحریروں میں سے دے رہے ہیں جو تیسری صدی ہجری میں سنی سنائی کی بنیاد پر لکھی گئیں۔ یا تو یہی "تجاہل عارفانہ" کہلاتا ہے یا آسان الفاظ میں" کہو کھیت کی کہے کھلیان کی"۔ رہی ہمارے بیانات کی کشتی ڈوبنے کی بات تو ہم نے کبھی بھی اس تیسری صدی کی دشمنان اسلام کی لکھی تحریروں کو درخور اعتناء نہیں سمجھا۔ آپ ہی نادان اتنی سے بات نہ سمجھ پائے کہ ہم صرف مقلدین کو شیشے میں انکا اپنا حقیقی چہرہ دکھانے کیلئے ان تحریروں کے حوالے دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ شاید بات سمجھ آگئی ہو۔

8۔ اوپر کی دو لائنیں آپ کے اس فضول استدلال کے جواب میں بھی پیش خدمت ہیں۔ استدلال کیا ہے صرف الفاظ کی گرفت سے ڈوبنے سے بچنے کیلئے سہارا لیا جارہا ہے۔ یہی دو لائنیں جناب کے ذہن میں پیدا ہونے والے "تضاد" کا شافی علاج کر دینگی۔ "تاریخ کے طالبعلموں پر رحم" آپ کی قبیل کے اندھے مقلدین کی روش کے باعث شاید کبھی نہ ہو پائے۔ البتہ آپ نمازیوں کی مافیا توڑنے کیلئے اپنی حقیر سی کوشش ہم کر رہے ہیں۔ اسی نکتے میں دوسرا پیراگراف۔ 8 عدد کتابیں جناب نے گنوائیں جو سب کی سب تیسری اور چوتھی صدی سے متعلق ہیں۔ یہ واضح نہیں ہوا کہ "بے وقت کی راگنی چھیڑی" یا کچھ ثابت کیا۔ شاید تھوڑی سی علمیت جتانے کی کوشش کی۔ ہماری یہ بات جناب کے دماغ میں فٹ نہیں بیٹھی کہ 'پھر دہرا دیتے ہیں' ان کتابوں کے اصل ماخذ وہی دو مشہور زمانہ کتابیں ہیں جنکے حوالے اور ذکر زیادہ تر تاریخوں، تفسیروں اور کتب سیر میں ملتا ہے۔

ابن اسحاق کی مغازی ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم (پیرس) نے کھوج نکالی۔ جناب محمد طفیل نے اپنے رسالہ نقوش لاہور کے رسول نمبر کی گیارھویں جلد میں اسے اردو کا جامہ پہنا کر شائع کر دیا تھا۔ (اغلباً 1990 کی دہائی کا ذکر ہے)۔ سیرت ابن ہشام کے نام سے یہ آج بھی تمام مذہبی کتب خانوں میں دستیاب ہے۔ طبری نے یہ اپنے استاد حمید الرازی سے نقل کی' اس نے سلمۃ الابرشؒ سے۔ ابن ہشام نے یہ زیاد البکائیؒ سے نقل کی۔ تفسیر کلبی یعنی تفسیر ابن عباس ہر جگہ میسر ہے۔ مجھے حیرت ہے ڈاکٹر صاحب کے تعصب اور تنگ نظری کی انتہا پر۔ صرف ایک خلاف رائے رکھنے والے کی ہر بات کو نیچا دکھانے کی سفلی خواہش کس طرح انسان کو زمینی حقائق سے روگردانی کرنے اور حق کو باطل میں تبدیل کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اپنی عزت نفس کا بھی خیال نہیں رہتا۔ ثابت کیجئے کہ یہی دونوں کتابیں موجود نہیں اور اولین تحریریں نہیں۔ ورنہ اپنی غلطی اور جہالت پر پھر ایکبار اپنا سر پیٹیے۔ تاہم کسی بھی تاریخ کی کتاب پر آنکھ بند کر کے بھروسہ نہ کرنے کی جناب کی پالیسی واقعی قابل تعریف ہونی چاہیئے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ بھروسہ صرف اسی تاریخ پر کرنا چاہیئے جو ڈاکٹر ازہر از ہری کی لفاظی کی تائید کرتی ہو؟

9۔ فرقوں کے معاملے میں ہم بھی اپنی رائے سے جناب کو مطلع کر دیتے ہیں۔ مولوی حضرات کا کھانا اسوقت تک ہضم نہیں ہوتا جب تک کسی نہ کسی فرقہ کا ٹھپہ کسی بھی قرآنی طالبعلم پر لگا نہ دیا جائے۔ اسلیئے چلئے آپ ہمیں منکرین نماز کہتے رہیں ہم کبھی شکایت نہ کرینگے۔ البتہ تصیح فرمالیں کہ منکرین صلوٰۃ صرف جناب اور جناب کی صف میں کھڑے دوسرے مقلدین کا تمغہ امتیاز رہیگا۔ اللہ تعالیٰ کو آپ نے توہین کے ساتھ یاد کیا۔ مخترع کا لفظ بے جگری سے استعمال فرمایا۔ یہ حقیقت مزید ثابت ہوئی کہ مولائے کریم اور اسکی کتاب حکیم کا آپکی نظر میں کیا درجہ ہے۔ البتہ 4/103 کی تشریح خاطر خواہ انداز میں نکتہ نمبر 4 کے تحت کر کے آپکے موقف کی ہوا نکال دی گئی ہے۔ امید ہے آئندہ نماز کو صلوٰۃ کہتے وقت احتیاط کرینگے۔ ویسے تو یہ شعر آپ پر صادق آتا ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں ہوئے کس درجہ فقیہاں حرم بے توفیق

یہ ہمیں ویسے علم ہو چکا ہے کہ ہر وہ شعر جو جناب کے کردار پر چسپاں ہو کور ذوقی کے باعث "بے وقت کی راگنی" ہو جاتا ہے۔

10۔ اس نکتے میں جناب نے پھر لغات کو زبان دانی سے علیحدہ کرنے کی جاہلانہ مہم چلائی۔ حضرت کسی بھی زبان کو اگر لغات سے نہیں سیکھیں گے تو کہاں سے سیکھیں گے؟ ہوا میں سے یا ڈاکٹر ازہر کی لفاظی سے۔

کوئی بھی غیر عرب اگر خدا کے حکم "تدبر فی القرآن" کی رو سے قرآن کی تحقیق و تفہیم کرنا چاہے تو لغات کے سوا کہاں جائیگا؟ حضرت کی طرح تقلید کا قلادہ گردن میں ڈال کر اسلاف کے تراجم کا محکوم ہو جائیگا۔ وہ تراجم بھی تو انہی لغات سے ان مترجموں کی اپنی فہم اور خاص پالیسیوں کے تحت کیئے گئے تھے۔ آسمان سے نازل نہیں ہوئے تھے۔ اگر ہم لغات سے اپنی فہم و تحقیق کے مطابق ترجمہ کرتے ہیں تو کیا آپ علمی دلائل سے ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ ترجمہ کہاں اور کیسے غلط ہے؟ ایسے الفاظ (بوزینہ کا دماغ چاہیئے) استعمال کرنے سے اتمام حجت نہیں ہوتا۔ آپکا علمی رتبہ پست ہوتا ہے۔ آپکو بھی اپنے لئے ایسے ہی الفاظ سننے پڑ سکتے ہیں۔

"الفاظ کے پھندے" استعمال کرنے کی بجائے حج کے بارے میں 2/197 کے "غلط ترجمے" کو لغات سے غلط ثابت کر کے تو دکھائیں۔ یا آپ کے پاس صرف Taunting ہی ہے؟ "دماغ" ہے ہی نہیں۔

11۔ اس عاجز نے تمام مذکورہ مطالب مستند لغات اور تصریف آیات کے حوالے سے تحریر کیئے ہیں۔

کیا جناب کے پاس کوئی بھی ٹھوس دلیل انہیں غلط ثابت کرنے کیلیئے ہے؟ یا صرف لفاظی اور زبان طعن کی درازی ہی جناب کا کل اثاثہ علمی ہے؟ ہمارے قریب تو الحمد اللہ کئی اساتذہ موجود ہیں۔ اور اکتساب فیض جاری ہے۔ آپکو ضرور ایک ادبی اخلاقیات اور ایک تاریخ اور عربی کے استاد کی اشد ضرورت ہے۔ اس ضمن میں جناب عزیز اللہ بوھیو کے متعلق کیا خیال ہے جناب کا؟

12۔ جتنی کیچڑ جناب نے دو محترم ہستیوں پر بے دریغ اچھالی ہے اس کے پیش نظر جناب کی کتاب جسکا ذکر خیر فرمایا "الصلوٰۃ یا نماز"؟ دشنام طرازی کا ایک نادر نمونہ ہونی چاہیئے: جناب کی "ناقدانہ گرفت" کا نمونہ اس ناچیز کے ہاتھوں میں موجود ہی ہے۔
اسی پیراگراف میں جناب نے ایک Phrase ایسا استعمال فرمایا کہ پریشان کر گیا۔ لکھتے ہیں " آپ کی کے کوڑی کی رہ جائیگی؟" ایک بزرگ اہل زبان کے پاس اس عاجز کو جانا پڑا۔ استفسار پر جواب ملا کہ یہ لفظ کے نہیں کَے پڑھا جائیگا زبر کے ساتھ۔ معنی ہے کتنے یا کتنی۔ دور دراز مضافات کے گنواروں کی زبان میں مستعمل ہے۔ تعلیم یافتہ شرفاء کی زبان نہیں ہے۔ اس سے بھی جناب کے انداز تحریر کی ندرت کا ماخذ معلوم ہوا۔ لیکن مافی الضمیر جناب کا پھر بھی واضح نہ ہو پایا۔ "اور پھر آپ کی کے کوڑی کی رہ جائیگی" چہ معنی دارو۔ پھر بھی اتنا جناب کے گوش گذار کر دوں کہ اصول یہ ہے کہ ہر انسان کو خدا نے آزادی اظہار و عمل بنیادی حق کے طور پر دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی کے بھی اعمال وافعال کی کسوٹی خدا تعالیٰ کی قرآن میں دی ہوئی اقدار ہیں۔ ڈاکٹر ازہر کی پسند ناپسند نہیں۔ انہی اقدار کے تحت جہاں جس کی سوچ مثبت نظر آئیگی تائید کی مستحق ہوگی۔ منفی نظر آئیگی تو بھی احترام آدمیت کی قدر اسکی بے عزتی کی اجازت نہ دے گی۔ البتہ اختلاف رائے رکھا جاسکیگا۔ جناب کا منشور اس سے مختلف نظر آتا ہے۔ اسی لئے عزیز اللہ صاحب کی نقل و حرکت جناب کی زد میں ہے۔ انہوں نے ضرور کہیں اختلاف رائے کا گناہ کیا ہوگا۔ تبھی جناب کا دل شدت غم سے باہر نکلے پھرتا ہے۔ کیا فتویٰ داغیں گے اگر یہ گنہگار اقرار کرے کہ غالب حصہ عمر عزیز کا جماعت اسلامی کی معیت میں گذارا ہے؟ جناب عالی جنکی گردن میں تقلید کا قلادہ نہیں پڑا ہوتا وہی تو متحرک وارتقا پذیر ہوتے ہیں۔ دوسری صنف تو 'جس میں جناب شامل ہیں' جمیم زدہ' یعنی ساکت ومنجمد ہوتی ہے۔ اس کی صرف زبان متحرک ہوتی ہے۔

13۔ پہلے پوائنٹ کا جواب نکتہ نمبر 7 کے تحت ان خاص دولائنوں میں دیا جا چکا ہے جنکا ذکر نمبر 8 کے شروع میں بھی کیا گیا ہے۔ اس پیرا گراف میں موضوع سے پہلو تہی (Side-Tracking) کرنے کیلیئے پھر "مومنین سے کیا مراد ہے" پوچھ کر لفاظی کی گئی ہے تا کہ بے علمی کو الجھاوے ڈال کر چھپایا جائے۔ یہ نہ فرمایا کہ اس ترجمے میں کیا چیز غلط یا نا قابل قبول ہے اور کس قرآنی یا علمی یا لغوی دلیل سے۔ غیر متعلق منطق اور ذاتی حملے شروع کر دیئے۔ چلیئے جیسے کو تیسا کے مصداق آپ ہی کی مثال لیکر ہم بھی یہ اعلان کر دیتے ہیں کہ نماز کے ڈاکٹر ہراز ہری کے بیان کردہ نتائج (ضمیر کا جاگنا۔ برائیوں کی بریک۔ سیرت وکردار کی تعمیر وغیرہ وغیرہ) کا ہوا میں سے زمین پر نزول کروانے کیلیئے ڈاکٹر ازہر ازہری کی امامت میں ڈیڑھ ارب مسلمانوں کو دبر اونچی کر کے الٹا ہو کر زمین کو 1000 برس مزید 24 گھنٹے روزانہ چاٹتے رہنا ہوگا تب شاید کچھ کام بننے کی امید پیدا ہو سکے۔ اب خوش ہو گئے جناب من۔ بھول گئے تھے کہ عزت کرانے کا ایک ہی طریق واسلوب آج تک دریافت ہو سکا ہے کہ عزت کرو۔ اگر اب بھی ایک ارب نمازیوں کی روزانہ نماز سے پیدا کردہ کوئی نتیجہ جناب کے پاس دکھانے کیلیئے ہے تو طولانی بحث کی بجائے وہ دکھا دیا ہوتا۔ ہم دست بستہ معافی مانگتے اور جناب کی تائید بھی کرتے۔

جس Utopia کو جناب نے اپنے دائمی اسلوب کے تحت طنز وطعن کا نشانہ بنایا وہ عہد رسالت مآب والذین معہ کے دورانیے میں حقیقت مجسم بنا کر دکھا دیا گیا تھا۔ صرف اس بنا پر کہ اسوقت اقامت صلوٰۃ کے الٰہی منشور پر اس کے حقیقی معنوں میں عمل کر کے وہ انقلاب عظیم برپا کر کے رکھ دیا گیا تھا جس کے تحت "یوم الدین" کا قیام عمل میں آ گیا تھا۔ یعنی خدا کے دین کا وہ دور جس میں "**یوم لا تملک نفس لنفس شیئا و الامر یومئذ للہ**" کی وہ عملی تفسیر سامنے آ گئی تھی جسکے متعلق شاعر نے کیا خوب کہا ہے:۔

اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں — مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارہ

(دوسرا مصرع تو شاید مخاطب ہی جناب سے ہے اور شاعری کے پیغام کی باریکیاں سمجھنے کی نا اہلیت کیطرف اشارہ ہے۔ جناب کی کتاب قرآنی سود میں اقبالؒ کے شعروں کی ٹانگیں توڑنے کا مظاہرہ کیا گیا ہے اور خدا رکھے 'مشق سخن' بھی نہایت بھونڈے انداز میں فرمائی گئی ہے) بعد ازاں صلوٰۃ کو

نماز میں بدل دیا گیا کیونکہ آمریت کو صلوٰۃ کہاں موافق تھی۔ اور اسی نماز کے تتبع میں وہ انقلابی منشور گم کر دیا گیا۔ آج 1400 سال بعد جسد امت اسی جرم کی پاداش میں زخم زخم ہے۔ آپ جیسا جو بھی صلوٰۃ کے بدلے نماز کا علم بلند کرتا ہے وہ مجرم ہے۔ اصلاح احوال سے غرض ہونے کی بجائے آپ جیسے لوگ صرف اختلافی معاملات کی دور تک پیروی کا جنون رکھتے ہیں جو آپ کو اور اس بدنصیب قوم کو قعر مذلت میں گرا چکا ہے۔

اس یوٹوپیائی ریاست نے چند برسوں میں وہ قوت حاصل کر لی تھی کہ بعد ازاں سینکڑوں سال کی آمریت اور بداعمالی میں بھی سپر طاقت کی حیثیت برقرار رہی۔ پھر جناب الفاظ کی گرفت فرمائینگے کہ یہ عاجز پھر اسی تاریخ کی مدد لے رہا ہے۔ اسلئے واضح کر دیا جاتا ہے کہ ہمارا اسلوب یہ ہے کہ تاریخ کے جن حقائق کی قرآن تائید فرما رہا ہو صرف وہ ہی قابل تسلیم ہیں۔

آخر میں عاجزانہ گذارش ہے کہ جناب کا پورا جواب مضمون ایک گونہ تشدد، سخت گیری، زعم برتری، تحکم اور عقل کل کا خبط ظاہر کر رہا ہے۔ خبط بھی وہ جو علمی استعداد اور عقل و شعور سے عاری، خالی خولی، طعن و طنز کی بنیاد پر، نطق کی برتری کا زعم دکھانے کا حاجت مند ہو۔ ذاتیات جناب کا خاص میدان عمل باور ہوتا ہے جو متفقہ طور پر بڑا ہی گھٹیا فعل ہے۔ دیکھئے کہ یہ فعل ہم جیسے دوسروں کی تحریروں کو بھی متاثر کر کے پورے معاشرے کو خراب کرتا ہے۔ کیوں نہ ڈاکٹر صاحب محترم کی توجہ خود احتسابی کی اعلیٰ صفت کی جانب مبذول کرائی جائے۔ ایک "تنقیدی گرفت" دوسروں کی تو کرتے ہی ہیں، اپنے مضمون کی بھی کریں اور دیکھیں کہ کیا کہیں بھی کوئی عقلی، علمی، تاریخی، قرآنی دلیل اس میں موجود پائی جاتی ہے یا صرف جلی کٹی سنانے اور کیچڑ اچھالنے کا ہی شاندار مظاہرہ کیا گیا ہے۔ ویسے یہ تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ ایسے ہی ہوتے ہیں ہمارے نمازوں کے چیمپئین۔ وہ نماز ہی کیا جو رعونت سے لبریز احساس برتری سے آپکو بھر نہ دے۔ اور پھر ایک سحر گزیدہ کی طرح آپ کی زبان طعن و تشنیع اور فتویٰ گری کی راہ پر قینچی کی طرح نہ چل پڑے۔ کیونکہ ہر نماز سے قبل ارتکاب کردہ جرائم و گناہ نماز ادا کرنے سے معاف ہو جاتے ہیں اس لئے یہ گناہوں اور جرائم کا لائیسنس، یہ گناہ، معافی، پھر گناہ کا شیطانی چرخہ (Vicious Circle) نمازیوں کو نہ دین کا رکھتا ہے نہ دنیا کا۔ نہ اخلاق کا نہ شائستگی کا۔ شاید خدا بھی آپ نمازیوں کو سیدھا رستہ نہ دکھانا چاہیگا۔

جناب کی کچھ کتابیں پڑھ کر بہت سے لوگ یہ جاننے سے محروم ہی رہ جائینگے کہ اس "پردہ زنگاری کے پیچھے کس قسم کا معشوق" چھپا ہے۔ یہ راز جاننے کا شرف کسی کسی خوش نصیب کو ہی حاصل ہوا ہوگا۔ کچھ لوگوں کو تو ہم بھی بتا سکیں گے۔ مرکز تحقیقات اسلامی کے سائن بورڈ کے پیچھے بیٹھنے والے نابغوں کو اور قرآن کا نام بار بار لینے والوں کو تو شعور و شائستگی کو اپنی زندگی کی سب سے گراں مایہ متاع بنا لینا ہوتا ہے۔ تب ہی وہ کوئی کار نمایاں انجام دے سکیں گے۔

آخر میں پھر تلخ نوائی کی معافی چاہونگا۔ اپنے رفقاء کے سامنے شرمندہ ہوں۔ اسطرح کی تحریر میرا اسلوب و قرینہ نہیں ہے۔ اس پر مجبور جناب ہی نے کیا ہے۔ اپنے الفاظ کے چناؤ میں بہت احتیاط کیجئے۔ خالی خولی، علم سے عاری بالادستی آجکل کوئی قبول نہیں کرتا۔ کسی اچھے نفسیاتی ڈاکٹر سے اپنا علاج کروا لیجئے۔ علمی تحریر ہو تو ضرور ارسال کریں۔ اگر یہی موجودہ اسلوب نگارش ہو تو معاف رکھیئے گا۔ دوبارہ ایسے نہیں لکھ سکونگا۔

اورنگزیب یوسفزئی

نومبر 2008ء

صلوٰۃ موقت

(خودفریبی یا خدافریبی؟)

وطن عزیز میں دونمبر کے مروجہ عجمی اسلام کے فقیدالمثال اورعدیم النظیر ہنگامہ ہائے روز وشب جاری وساری ہیں۔ بقایا ملت اسلامیہ میں بھی دونمبر کے "مذہبی" علماء برساتی کیڑوں کی طرح ابھرتے چلے جاتے ہیں۔اور عبادت وروحانیت کے نام پر قومی زندگیوں کے پیکر میں مایوسی اور بے عملی کا زہر گھولنے میں مصروف ہیں۔ یہ منصوبہ بندی زمانہ قدیم سے تواتر سے چلی آرہی ہے۔مغربی اور مقامی سامراج پہلے کی طرح سرپرستی پر آج بھی مستعد ہے۔ان کی تمام تر مساعی کا مرکز ومحور وہی ہے کہ "ہونہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں"۔

مقابلے میں صرف راست اتباع قرآنی کے دعویدار چھوٹے چھوٹے حلقے ہیں۔ جو چند راسخ العقیدہ اکابر مفکرین کی مساعی جمیلہ کے سبب آج ملک کے کئی حصوں میں قائم ہیں۔لیکن وحدت ومرکزیت کے فقدان کے سبب مجہول الحال اور مفقود الخبر حالت میں بکھرے نظر آتے ہیں۔اور کسی بھی موثر سرپرستی سے محروم ہیں۔

انہی حلقہ ہائے قرآنی کے مابین ایک ایسے گروہ کا وجود بھی کارفرما ہے جو عجمی اسلام کے تجویز کردہ اور عرب استعمار کے نافذ کردہ فرسودہ اور بے سود عمل پرستش کو نہ صرف تسلیم ہی کرتا ہے، بلکہ اپنا ایک خاص قسم کا منفرد حرکات وسکنات اور انوکھے کلمات ومناجات پر مشتمل عمل پرستش (یعنی نماز) وضع کرچکا ہے۔ یہ انوکھی اختراع شدہ نماز جمہورامت کی مسلمہ نماز کے برعکس روزانہ صرف تین بار پابندی سے باجماعت ادا کی جاتی ہے۔اس کی رکعات، تکبیر، قیام، رکوع وسجود وغیرہ سب اپنا ایک الگ انداز رکھتے ہیں اور مسجدیں بھی الگ ہیں۔اسے "صلوٰۃ موقت" کا اختراع کردہ مہمل نام دیا جاچکا ہے۔جو دراصل "نماز موقت" کے معنی میں لیا جاتا ہے۔ یہ اسلئے کہ:-

- صلوٰۃ موقت کی اصطلاح کے مخترعین اوران کے ہم قبیل بزبان خویش اسے "روایتی نماز" ہی کہتے اور مانتے ہیں اوراسی معنی میں پرستش کے عمل کے طور پر ادا کرتے ہیں۔ملاحظہ ہو رسالہ بلاغ القرآن میں پچھلے ایک سال کے دوران تحریر شدہ مضامین جو اسی عنوان کے تحت شائع کئے گئے۔

- "نماز موقت" کی اصطلاح ہی دراصل مذکورہ عمل پرستش کی درست ترجمانی بھی کرتی ہے۔ کیونکہ یہ عمل پرستش "صلوٰۃ" کے زمرے میں تو آ ہی نہیں سکتا کیونکہ "صلوٰۃ" کے قرآنی اور لغوی معانی سے کوسوں دور ہے۔

- البتہ لفظ موقت اردو کے لفظ وقت سے ماخوذ ہے لیکن یہ گروہ اسے قرآن میں مذکور عربی لفظ موقوت کے مرادف سمجھتا ہے۔لیکن پھر بھی اس کو بگاڑ کر اردو ترکیب میں لکھنے پر مصر ہے۔ یہ اصطلاح اگر "صلوٰۃ موقوتہ" ہوتی تو کم از کم قرآنی الفاظ سے مطابقت ومماثلت کی دعویدار ہو سکتی تھی۔لیکن پھر شاید اس سے ان کا مطلوبہ معنی نہ نکل سکتا۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ مضمون ھذا صرف اس مدعے پر آپ سے مخاطب ہے کہ آیا موضوع زیر بحث یعنی "صلوٰۃ موقت" کی اصطلاح جس آیت کریمہ پر اپنی اصل وبنیاد قائم کرتی ہے، اس آیت کریمہ کی تحقیق وتفہیم وتعبیر سے مذکورہ اصطلاح پیدا کرنا (یا مستنبط کرنا) ممکن بھی ہے یا نہیں۔اور اگر نا ممکن ہوتے ہوئے بھی پیدا کی گئی تو یہ اختراع وتاویل کس گناہ کبیرہ یا صغیرہ کے زمرے میں آتی ہے۔ یہ مقصد اس ناچیز کا ہرگز نہیں ہے کہ عیب جوئی کا ایک نیا در کھول دیا جائے جو افتراق وانتشار کا باعث بنے۔ بلکہ یہ قرآن پر مبنی ایک مختصر علمی ابحث کے ذریعے حق اور باطل میں فرق

کر کے ترکِ اغلاط اور اتفاق باہمی پیدا کرنے کی ایک حقیر کوشش ہے۔التماس ہے کہ اسے انہی معنوں میں لیا جائے۔واضح ہو کہ مضمون ھذا ذاتیات سے بحث نہیں کرتا لہذا مندرجہ ذیل موضوعات کا احاطہ اسکے دائرے سے باہر ہے:۔

1۔ اس اصطلاح "صلوۃ موقت" کا تاریخی پس منظر کیا ہے؟

2۔ اسکی بداءت کے اسباب کیا تھے؟

3۔ اسکے اولین موجد، مخترع و مخرج کا نام نامی کیا ہے؟

4۔ اسکے مئویدین حضرات کے اسماء گرامی کیا کیا تھے؟

5۔ اسکے تحت پیدا ہونے والے ایک نئے فرقے کا نام کیا ہے؟

6۔ اس اصطلاح کے اتباع میں ہونیوالا منفرد عمل امت کے نفاق، تشتت وافتراق میں کیا نئی جہت پیدا کر چکا ہے؟

7۔ یا صلوۃ کے درست قرآنی ولغوی معانی کی رو سے اسکی تعبیرات کس عمل کی متقاضی ہیں۔اور اسکے برعکس ہمارا عمل کس سمت کا رخ اختیار کئے ہوئے ہے؟ وغیرہ۔

تو پھر آیئے، براہ راست فرمان الٰہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور مغفرت واستعانت کی تمنا کیساتھ تھوڑی سی تحقیق وتنقیح کی جسارت کرتے ہیں۔آیت کریمہ ہے:۔

(4/103)"ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا

عمومی مروجہ عجمی تراجم 1: بیشک نماز مومنوں پر وقت پر ادا کرنے والا فریضہ ہے۔

2: یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے۔

اب دیکھ لیتے ہیں آیت کریمہ کا قرآنی، عربی، لغوی ترجمہ وتفسیر وتحلیل:۔

1۔ یہ جملہ اسمیہ ہے۔

2۔ اس کا مبتدا "الصلوٰۃ" ہے۔

3۔ "کتاب" اس کی خبر ہے۔

4۔ "اِنَّ" کلمہ حصر ہے۔اِنَّ کے اثر سے الصلوٰۃ نصبی حالت میں ہے۔

5۔ "کانت" فعل ناقص ہے۔اور کتاباً کانت کے زیر اثر نصبی حالت میں ہے۔

6۔ "علی المومنین" متعلقات خبر ہے۔

7۔ "موقوتا" نہ صرف کتاب کی صفت ہے اور مرکب توصیفی کا حصہ ہے بلکہ اسم المفعول بھی ہے۔

8۔ مرکب توصیفی "کتاب موقوت" کانت کے زیر اثر کتاباً موقوتاً ہو گیا ہے۔

9۔ اصل جملہ "الصلوٰۃ کتاب" ہے۔جسکے معنی ہیں الصلوٰۃ ایک کتاب ہے۔

10۔ "کتاب" بمعنی قانون یا فریضہ معلوم ومعروف ہے۔

11۔ مرکب توصیفی کتاب موقوت میں کتاب موصوف ہے اور موقوت اسکی صفت ہے۔بالکل واضح ہے کہ موقوت صلوٰۃ کی نہیں بلکہ کتاب کی صفت ہے۔اور اپنے مرکب توصیفی سے کاٹ کر مبتدا الصلوٰۃ کے ساتھ نہیں جوڑی جاسکتی۔مبتدا یعنی الصلوٰۃ اپنی خبر ہی کیساتھ یعنی کتاب ہی کے ساتھ

جڑے گا اور الصلوٰۃ ایک قانون/فریضہ ہے کے معنی دیگا۔ موقوت تو کتاب ہے یعنی قانون۔ صلوٰۃ نہیں۔ اگر ہم صلوٰۃ کو مؤقت یا موقوت کہیں گے تو جملے کی ہیئت ترکیبی بگاڑ دیں گے اور معانی کو الٹ پلٹ کر دینگے۔ اور یہ سب عربی گرامر اور صرف ونحو کے قواعد کی صریح خلاف ورزی ہوگی۔

12۔ "الصلوٰۃ" نماز نہیں بلکہ پیروی واتباع کے لغوی معانی رکھتی ہے اور یہاں بھی "الصلوٰۃ" نماز نہیں بلکہ معرف باللام ہونے کی جہت سے احکام الٰہی کی پیروی ونفاذ کے اصطلاحی معنی میں آتی ہے۔

13۔ "موقوت" کا لغوی معنی "حدود مقرر کردہ" ہے۔ اس عربی لفظ کو اردو کے 'وقت' سے مشتق کرنا اور اس کا معنی "اوقات مقرر کردہ" لینا صرف تاویل کے زمرے میں آئیگا۔ مکہ مکرمہ کی زیارت کرنے والا ہر زائر "مقام میقات" سے گزرتا ہے جو کہ وہ جگہ ہے جس مقام سے مکہ مکرمہ کی حدود کی شروعات ہوتی ہیں۔ اور غیر مسلم کو روک لیا جاتا ہے۔ ثابت ہوا لفظ 'موقوت' بمعنی حدود مقرر کردہ ہی ہے کیونکہ اسی سے "میقات" بمعنی وہ جگہ ہے جہاں سے مقرر کردہ حدود شروع (یا ختم) ہوتی ہیں۔ غالباً "موقوت" کے صحیح اور مستند معنی کیلیے اس سے زیادہ قوی اور نا قابل تردید دلیل مہیا کرنا ممکن نہ ہوگا۔ یہ ثبوت اس لئے پیش خدمت کیا گیا کہ ہمارا واسطہ اکثر ذاتی، من مانی تاویلات کرنے والے گروہوں سے پڑتا ہے جو لغات ہی کو مسترد کرنے کی کوششیں فرماتے ہیں۔ یہاں لغات کے ساتھ ساتھ برسرزمین حقائق کی موجودگی معانی میں کسی دھاندلی کی اجازت نہ دے گی۔ نیز "موقوت" کا مؤقت سے بلحاظ معنی کوئی تعلق نہیں ہے۔

پس آیت کریمہ مذکورہ کا مستند قرآنی، عربی، لغوی، بامحاورہ ترجمہ کچھ اسطرح بنتا ہے:۔

"پیروی ونفاذ احکام الٰہی (الصلوٰۃ) درحقیقت مومنین کے ذمہ لگایا گیا ایک قانون/فریضہ (کتاب) ہے اور یہ قانون/فریضہ حدود مقرر کردہ ہے (موقوت)"۔

تفسیر میں ہم یہ کہہ سکیں گے کہ مومنین پر واجب کیا گیا ہے کہ احکامات الٰہیہ کا قانون کی شکل میں اپنی مملکت میں نفاذ کریں تاکہ اسکا قومی/انسانی سطح پر اتباع ہو۔ یہ قانون اپنی حدود خود مقرر کرتا ہے۔ یا اسکے ذریعے انسانوں کی آزادی کی حدود مقرر ہونگی یا یہ قانون حدود فراموش نہیں یا حدود سے تجاوز نہیں ہونے دیتا وغیرہ۔

چنانچہ "صلوٰۃ موقت" ایک خود ساختہ اصطلاح ثابت ہوتی ہے۔ اس اصطلاح کے گھڑنے میں صریح تحریف قرآنی کا ارتکاب نظر آتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پہلے سے وضع کردہ ایک ذاتی نظریے کو قرآنی معانی کی دست برد کے ذریعے مستند ثابت کرنے کی جسارت کی گئی ہے۔ درج ذیل اغلاط ونتائج بہت واضح ہیں:۔

☆ "الصلوٰۃ" کو اسی نماز کے معنی میں لیا گیا ہے جو لغات اور تصریف الآیات کی رو سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔ جسکی واحد سند ان کے نزدیک تواتر ہے۔ لیکن مولانا ابوالکلام آزاد کے بقول، تواتر صرف اسی عمل کا مانا جائیگا جو قرآن میں بھی موجود اور اس کتاب عظیم سے ثابت ہو۔ دیکھیے نکتہ نمبر 12۔

☆ "موقوت" کا خود ساختہ ترجمہ یا تاویل کی گئی ہے۔ عربی زبان، لغات، قرآنی معنی، برسرزمین حقائق سب اس تاویل کی نفی کرتے ہیں۔ جیسا کہ نکتہ نمبر 13 میں ثابت کیا گیا۔

☆ "موقوت" اردو زبان کا لفظ نہیں ہے اور اپنے حسب منشاء معنی لینے کیلیے وقت (اردو) سے اسکو مشتق کرنا غلطی ہوگی یا لاعلمی یا مطلب براری۔ یہاں تو اس سے بڑی فنکاری یہ کی گئی کہ عربی لفظ صلوٰۃ کے ساتھ موقوت کی بگاڑی ہوئی اردو شکل "موقت" کا لاحقہ لگایا گیا ہے یعنی زبان دانی کے اصولوں کی تضحیک کی گئی اور اصطلاح کو عربی اور اردو کی آمیزش سے چوں چوں کا مربہ بنا دیا گیا۔ پھر اصرار بھی ہے کہ یہ

قرآنی اصطلاح ہے؟

☆ قرآنی آیت کریمہ کی ہیئتِ ترکیبی کو مسخ کرنے کی جسارت کی گئی ہے۔ جملہ کو توڑنے مروڑنے اور اپنے موقف و مسلک پر لانے کیلئے گستاخ ہاتھ دراز کئے گئے ہیں۔ مزید براں لفظ موقوت کی بھی توڑ پھوڑ کی گئی ہے۔ جیسا کہ نکتہ نمبر 11 اور 13 میں واضح کیا گیا۔

☆ ایک علیحدہ قسم کی نماز ایجاد کرنے کیلئے ایک بے سند و بلا جواز من گھڑت اصطلاح کو استعمال کیا گیا ہے۔

☆ جمہور امت کو گمراہ کرنے کے جرم کا ارتکاب بھی کیا گیا نظر آتا ہے۔

☆ قرآن کی گم کردہ اصل و درست تعبیرات کو کھوجنے کے جاری عمل میں یہ اختراع ایک رکاوٹ کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ اس عمل کی پیشرفت کو پیچھے کی طرف واپس دھکیلنے کی کوشش ہے۔

☆ قرآنی متبعین ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود روایت پرستی کے ذریعے دین کو مسخ کرنے کی سازشوں میں مدد و معاونت کے مترادف ہے۔

☆ "صلوٰۃ موقت" کے عقیدے اور اسکے تحت انجام پذیر عمل پرستش کو تفرقہ فی الدین کے قرآنی فلسفے کی روشنی میں دیکھا جائے تو غالباً شرک یعنی گناہ کبیرہ کے زمرے میں بآسانی شامل کیا جا سکتا ہے۔

یہ احقر کسی فتوے بازی پر ہرگز یقین نہیں رکھتا۔ اور اتحاد بین المتبعین القرآن ہی اس کا اصل الاصول ونصب العین ہے۔ موضوع زیرِ نظر پر قلم اٹھانا ہرگز ایک قابل رشک یا لائق تعریف کاوش نہیں ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ یہی غیر قرآنی عقائد قرآنی حلقوں کے اتحاد میں سدِ راہ بنے کھڑے ہیں۔ کیونکہ ان پر کھل کر بالمشافہ مکالمہ اب تک ناممکن العمل رہا ہے اسلئے مجبوراً تحریراً، اختلاف کو دور کرنے کی کوشش میں ایک علمی بحث حقائق اجاگر کرنے کیلئے کی گئی۔ اوپر رقم کی گئی سطور کا مقصد اپنے کچھ محترم برادران اور قابل قدر اساتذہ کو تصویر کا ایک "ناخوشگوار" لیکن میرے نزدیک حقیقی قرآنی رخ دکھانے کی کوشش تھا۔ اس امید کے ساتھ کہ "شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات"۔ اور ایک غیر قرآنی موقف کو ترک کرنے کی طرف کچھ پیش رفت ہو پائے۔ جو شاید اتحاد و اتفاق کی منزلوں کی طرف راہنمائی کر دے۔

جس بھوک، افلاس، محرومی اور غصب و استحصال کی شکار اس مظلوم ملک کی یہ آفت زدہ قوم مدت دراز سے چلی آرہی ہے، اسکا واحد حل حکمران مافیا کو اقتدار سے محروم کر دینا اور قرآنی اشرافیہ کا ملکی معاملات کا کنٹرول حاصل کر لینا ہے۔ یہ کام صرف اتحاد کے حصول اور ایک متحدہ اور منظم سیاسی جدوجہد کے ذریعے ہی انجام پا سکے گا۔ یقیناً اس عمل میں آئین کے تقاضے اور مروجہ قواعد و ضوابط لازمی پیش نظر رکھنے ہونگے تاکہ کسی طاقت کو انگلی اٹھانے اور رکاوٹ ڈالنے کا موقع نہ ملے اور تمام تر جدوجہد قانونی عمل کے زمرے میں ہی آئے۔

تو پھر آیئے اپنے اپنے غیر قرآنی عقائد کو درست کرتے ہوئے، اتحاد کی راہ کی تمام رکاوٹیں دور کر کے ایک مضبوط سیاسی پلیٹ فارم سے اسی عظیم قرآنی نصب العین کی طرف پرخلوص جدوجہد کا آغاز کریں جو تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کا اولین فریضہ تھا اور جسے ہمارے مالک نے ان کلمات سے واضح فرمایا تھا "ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم" (7/157) اور جس کیلئے اقتدار کے حصول (یعنی تمکن فی الارض) کی شرط عاید کی گئی تھی (22/41)۔